جنوری ۱۹۹۲ء

قرآن اکیڈمی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- اُدھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت
  مالی معاملات سے متعلق مولانا محمد طاسین صاحب کا ایک محققانہ مقالہ
- فریضۂ شہادت علی الناس
  امیر تنظیمِ اسلامی کا ایک اہم خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

خلافت علیٰ منہاج النّبوّۃ کا دور

پھر آیا چاہتا ہے!

امّتِ مسلمہ کے پانچ ادوار۔ حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

تَکُونُ النُّبُوَّةُ فِیکُم مَاشَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُونَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰہُ اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَکُونُ خِلَافَةً عَلیٰ مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَکُونُ مَاشَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُونَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَکُونُ مُلْکًا عَاضًا فَیَکُونُ مَاشَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُونَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَکُونُ مُلْکًا جَبْرِیًّا فَتَکُونَ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُونَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَکُونُ خِلَافَةً عَلیٰ مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، ثُمَّ سَکَتَ۔

(رواہ احمدؒ: عن النعمان بن بشیرؓ)

"تمہارے اندر عہدِ نبوّت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہدِ نبوّت) کو ختم کر دے گا۔ (اس کے بعد) پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی، جو قائم رہے گی جب تک اللہ (اسے قائم رکھنا) چاہے گا۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہو جائے گی جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی۔ پھر جب اسے بھی اللہ ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہوگا، جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا۔ پھر اللہ جب اسے بھی ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہو جائے گی۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔"

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۱

شمارہ: ۱

رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

جنوری ۱۹۹۲ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرِ تعاون ۵۰/-

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶۔ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹۔ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیمِ اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ———— ۳

عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ———— ۵

عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کے تقاضے

امیر تنظیم اسلامی کے تین خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز

☆ الھدیٰ (قسط ۷۸) ———— ۱۰

انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج ۔ سورۃ الجمعہ کی روشنی میں (۵)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ مطالباتِ دین ———— ۱۷

فریضہ شہادت علی الناس

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ بحث و نظر ———— ۳۳

بیع مرابحہ اور بیعِ مؤجل

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

مولانا محمد طاسین

☆ رفتارِ کار ———— ۵۴

○ تنظیم اسلامی لاہور شہر اور لاہور شرقی کی دعوتی سرگرمیاں

○ ناظمِ حلقہ سندھ کا حیدر آباد کا ایک روزہ تنظیمی دورہ

○ داعیٔ تحریکِ خلافت اور ناظمِ تحریکِ خلافت کا پانچ روزہ دورۂ سرحد

☆ افکار و آراء ———— ۷۵

○ تحریکِ خلافت ۔ وقت کی اہم ضرورت

ڈاکٹر غلام فرید بھٹی

○ اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر بپا!

ڈاکٹر محبوب عالم خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

سُود کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ نومبر کے وسط میں سامنے آیا تھا۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے مفصل فیصلے میں مروجہ بینکنگ کے نظام کی بہت سی شقوں کو خلافِ اسلام قرار دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ان شقوں میں مناسب تبدیلی کرے۔ اس ضمن میں ۹ جون ۹۲ء تک کی مہلت دی گئی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ بلاشبہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہے۔ دینی حلقوں کی جانب سے اس کی بھرپور پذیرائی کی گئی اور اس عزم کا اظہار واشگاف الفاظ میں کیا گیا کہ حکومت کو اس معاملے میں اب پیچھے ہٹنے نہیں دیا جائے گا اور مل جل کر حکومت پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ تاخیری ہتھکنڈے اختیار کرنے کی بجائے مالی معاملات کو سُود کی آلائش سے پاک کرنے کے لئے سنجیدگی سے کوشش کرے اور مقرر کردہ وقت کے اندر اندر متبادل قوانین بنا کر سود سے چھٹکارے کی شکل پیدا کرے۔ ۱۶ نومبر کو نوائے وقت کے ادارتی شذرے میں مدیر نوائے وقت نے بھی بڑے مؤثر انداز میں یہ بات کارپردازانِ حکومت کے سامنے رکھی کہ اس معاملے میں مزید مہلت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرنے اور عدالت کا کُنڈا کھٹکھٹانے کی بجائے مناسب یہ ہوگا کہ جون ۹۲ء تک کی جو مہلت وفاقی شرعی عدالت نے دی ہے اسے غنیمت جانتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ متبادل قانون سازی کی جانب توجہ دی جائے اور ماضی کی طرح محض لیبل کی تبدیلی کے ذریعے قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی بجائے اقتصادی نظام اور بالخصوص بینکنگ کے نظام میں ایسی ٹھوس تبدیلیاں کی جائیں کہ سود کا فی الواقع خاتمہ ہو سکے --- تاہم ماضی کے تجربات کے پیشِ نظر اس بات کا شدید اندیشہ موجود ہے کہ اس بار بھی نوکر شاہی محض ظاہری لیپا پوتی کے ذریعے کام نکالنے کی کوشش کرے گی اور بہت سے سودی معاملات کے محض لیبل تبدیل کر کے سود کو مشرف بہ اسلام کرنے کی ایک بار پھر بھرپور سعی کی جائے گی۔ اس خدشے کا اظہار حال ہی میں سینیٹر حافظ حسین احمد کی جانب سے بھی سامنے آیا ہے --- ہمارے نزدیک اس ضمن میں علماءِ کرام کا کردار آئندہ فیصلہ کُن اہمیت کا حامل ہوگا۔ معاملہ عدالت کے حوالے ہے اور شرعی امور کے بارے میں علماء کی رائے بہرکیف وزن رکھتی ہے --- لیکن بدقسمتی سے مالی امور سے متعلق ایک جزوی

معاملے میں برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء ایک ایسی رائے رکھتے ہیں کہ جس سے بینکنگ سے متعلق بعض سُودی امور کے لئے جواز کا راستہ نکل سکتا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے حکومت کے لئے آسان ہو گا کہ محض لیپا پوتی کر کے اور عنوان تبدیل کر کے سودی نظام کو بھی برقرار رکھے اور علماء کرام کو بھی مطمئن یا خاموش کرادے۔ "باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی!"

یہ اہم مسئلہ ادھار چیز کو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنے سے متعلق ہے۔ ادھار پر کوئی شے کسی کے ہاتھ فروخت کرنے (یعنی بیع مؤجل) کی یہ شکل تو یقیناً جائز ہے کہ ادھار پر فروخت کی جانے والی شے کی قیمت وہی وصول کی جائے جو نقد فروخت کرنے کی صورت میں وصول کی جاتی ہے۔ لیکن بیع مؤجل کی ایک شکل اور بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ خریدار اگر نقد قیمت ادا کرے تو اس شے کی قیمت کچھ اور ہو اور اسی چیز کو اگر ادھار پر خریدے تو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت ادا کرے۔ مثلاً کوئی شخص ایک شے نقد خریدے تو سو روپے ادا کرے اور وہی چیز ادھار پر خریدے کہ میں اس کی قیمت چھ ماہ بعد ادا کروں گا تو ایک سو پچاس روپے ادا کرے۔ بیع مؤجل کی یہ صورت شرعی اعتبار سے محلِ نظر ہے کہ اس صورت میں شے کی قیمت میں جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ محنت کے مقابل نہیں ہوتا بلکہ یہ تفاضل محض وقت کے مقابل ہوتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں صاحبِ ہدایہ امام مرغینانی کی ایک عبارت کی روشنی میں علماءِ احناف بالعموم اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اسی فتوے کی بنیاد پر وہ بے شمار ادارے چل رہے ہیں جو قسطوں پر اشیاء فروخت کرتے اور اس طرح نقد کے مقابلے میں کہیں زیادہ قیمت گاہکوں سے وصول کرتے ہیں۔

حال ہی میں اس سلسلے میں ہمیں مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل کا ایک محققانہ مضمون دستیاب ہوا ہے جس میں اس مسئلے پر بڑی مفصل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بیع مؤجل کی مذکورہ بالا صورت سود ہی کے ذیل میں آتی ہے۔ یہ بلند پایہ علمی مقالہ تو ہم علماء کرام کے غور و فکر کے لئے "حکمتِ قرآن" کی جنوری کی اشاعت میں شائع کر رہے ہیں، تاہم اسی موضوع پر مجلسِ علمی کراچی کے مولانا محمد طاسین صاحب کا ایک فکر انگیز مقالہ جو چند روز قبل ہمیں موصول ہوا ہے، اسی شمارے میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ مولانا نے اس معاملے میں بڑی شرح و بسط سے بحث کی ہے۔ ہدایہ کی مذکورہ عبارت اور اس کی تعبیر کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس مقالے کا اسلوب نگارش چونکہ نسبتاً سادہ اور زبان آسان فہم ہے لہٰذا
(باقی صفحہ ۹۷ پر)

عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کے تقاضے

★

دورِ حاضر میں نظامِ خلافت کا معاشی و اقتصادی ڈھانچہ
اور موجودہ الوقت صورتِ حال میں علماء کرام کی ذمہ داری

لاہور ۳؍ جنوری: خلافتِ راشدہ کا نظام مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت میں ایک حسین خواب کی صورت میں محفوظ ہے' چنانچہ خلافت کا لفظ سنتے ہی نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے قلبی جذبات و احساسات میں ایک ولولہ انگیز ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے بلکہ "اغیار" بھی فوراً چونک جاتے ہیں کہ کسی مسلم ملک میں نظامِ خلافت کا احیاء عمل میں آگیا تو یہ چیز مسلمانوں کے عالمی اتحاد کا پیشِ خیمہ بن کر اہلِ کفر کے لئے ایک بہت بڑے چیلنج اور خطرے کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسّلام' باغِ جناح میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امتِ مسلمہ درحقیقت نظامِ خلافت کے احیاء و قیام ہی کے ذریعے "نیو ورلڈ آرڈر" کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کے معاشی و اقتصادی ڈھانچے کے خدوخال کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دنیا میں رائج موجودہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کو اگر سُود اور جوئے کی ہر صورت سے مکمل طور پر پاک کر دیا جائے تو یہی سرمایہ دارانہ معاشی ڈھانچہ نظامِ خلافت کے معاشی ڈھانچے کے بہت قریب آ جائے گا۔

امیر تنظیمِ اسلامی نے واضح کیا کہ اسلام کے نزدیک سُود کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی سینکڑوں درجے بڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سُود جیسی خبیث شئے کے خاتمے سے سرمایہ داری نظام کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ سرمائے اور محنت کے درمیان مبنی برانصاف توازن و اعتدال کا معاملہ صرف اور صرف اسلام کے سنہری اصولوں میں موجود ہے' چنانچہ اسلام نے ایک طرف محنت کش کی محنت کو مکمل تحفظ فراہم کیا ہے تو دوسری جانب رأس المال میں نقصان کی صورت میں تمام تر بوجھ سرمایہ دار کے ذمّے ڈالا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے سُودی قوانین کو خلافِ اسلام قرار دینے کے فیصلے کو جرأت مندانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس فیصلے کو اگر صحیح طور سے خلوصِ نیت کے ساتھ عملی جامہ پہنایا جائے تو اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جاری جنگ ختم ہو سکتی ہے اور اللہ کی تائید و نصرت پھر سے ہمارے شاملِ حال ہو سکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف خدشہ یہ بھی ہے کہ سابقہ حکومت کی طرح موجودہ حکومت بھی سُود کو مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے جائز و حلال قرار دینے کی کوشش کرے گی' جیسے دورِ ملوکیت میں سُود کو مختلف فقہی حیلوں بہانوں اور چور دروازوں سے جائز قرار دیا گیا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی نے خبردار کیا کہ اگر اس موقعے پر علماء نے سُود کی حرمت کے بارے میں خاموشی اختیار کی تو حدیثِ نبویؐ کے مطابق ان کی یہ روش "گونگے شیطانوں" کے طرزِ عمل کے ذیل میں آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں علماءِ حق کا فرض بنتا ہے کہ وہ عوام کے سامنے یہ واضح کریں کہ حکومت دھوکہ بازی اور فریب سے کام لے رہی ہے۔ امیرِ تنظیم نے سامعین کو یاد دلایا کہ سینیٹر حافظ حسین احمد اخباری بیان میں پہلے ہی اس خدشے کا اظہار کر چکے ہیں کہ حکومت سُود کو جائز و حلال ٹھہرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ اللہ نہ کرے کہ حکومت ایسا طرزِ عمل اختیار کرے' لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ ایسا ناقابلِ تلافی اجتماعی جرم ہو گا جس کے نتائج بہت خوفناک ہو سکتے ہیں۔

نظامِ خلافت اور وحدتِ امت کے ضمن میں

علامہ اقبال کے فکر کی غلط ترجمانی

لاہور ۲۷ دسمبر ۹۱ء

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں نماز جمعہ سے قبل "نظامِ خلافت اور وحدتِ امت کے ضمن میں علامہ اقبال کے فکر کی غلط ترجمانی" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال اس صدی کے سب سے بڑے داعیٔ قرآن بھی تھے اور ترجمان القرآن بھی اور انہیں مجوزِ و مفکر و مصورِ پاکستان کی حیثیت بھی حاصل ہے چنانچہ پاکستان میں نظامِ اسلام کے حوالے سے ان کے فکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر علامہ اقبال کے افکار کی غلط ترجمانی بڑے دھڑلے سے کی جا رہی ہے اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے ہی بذاتِ خود علامہ کے افکار کی غلط ترجمانی کا "علمِ جہاد" بلند کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ علامہ اقبال کے افکار کی من مانی اور غلط ترجمانی کرنا ایک قومی جرم ہے جس کا ارتکاب

ڈاکٹر جاوید اقبال کر رہے ہیں، جو ہماری قومی زندگی کے دھارے کو غلط رُخ پر ڈالنے کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے ایک اخباری مضمون میں وحدتِ امت اور نظامِ خلافت کے تصورات کو علامہ اقبال کے حوالے سے فرسودہ اور ناقابلِ عمل قرار دیا ہے حالانکہ علامہ اقبال سے بڑھ کر وحدتِ امت کے فلسفے کا حُدی خواں اور کون ہو گا۔ جہاں تک نظامِ خلافت کا تعلق ہے جب عثمانی خلافت کا پردہ کمال اتاترک نے چاک کیا تو علامہ اقبال نے عثمانی خلافت کی بے اثری سے باخبر ہونے کے باوجود اسے "چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا" جیسے الفاظ سے یاد کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنا یہ خود ساختہ تصور بھی اپنے والد کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال دنیائے اسلام کی قومی ریاستوں کے وجود کو ضروری خیال کرتے تھے جبکہ علامہ اقبال وحدتِ امت کے نقیب و حُدی خواں تھے۔ انہیں اگرچہ اس حقیقت کا ادراک حاصل تھا کہ عملاً امتِ مسلمہ بہت سی مسلم اقوام میں بٹ چکی ہے چنانچہ وہ سردست امت مسلمہ کی ایک "کامن ویلتھ" کو بھی غنیمت سمجھتے تھے مگر وہ خواب یہی دیکھتے رہے کہ "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے۔" یوں امتِ مسلمہ کے تصور کے حوالے سے انہیں فرسودہ اور ناقابلِ عمل قرار دینا علامہ اقبال کے افکار کی بالکل غلط ترجمانی ہے۔ اس طرح رُوحِ دین اور رُوحِ عصر کے تقاضوں کو سمونے کا معاملہ بھی علامہ کے فکر میں موجود ہے۔ علامہ اقبال نے اللہ کی حاکمیت کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا اور وطنی قومیت کے ساتھ ساتھ آمریت و ملوکیت کی بھی شدید مخالفت کی۔ علامہ کے نزدیک اسلام کا سیاسی نظام درحقیقت جمہوری تصوّرات کا حامل ہے۔ انہوں نے مغربی جمہوریت کی شدید نفی کی کہ یہ نظام درحقیقت سرمایہ داروں کی آمریت ہی کا دوسرا نام ہے۔

اجتہاد کے حوالے سے علامہ اقبال کے تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ ایسے معاملات جہاں کتاب وسنت کی واضح ہدایات موجود نہ ہوں باہمی مشورے سے طے کئے جاتے ہیں، مگر اجتہاد کی آڑ میں ڈاکٹر جاوید اقبال پارلیمنٹ کی حاکمیت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں جو درحقیقت کلمۂ کفر ہے۔ پارلیمنٹ کا کام قرآن وسنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کرنا ہے اور آج کے دَور میں چونکہ قوتِ نافذہ عملاً پارلیمنٹ کے پاس ہی ہوتی ہے لہٰذا اب پارلیمنٹ ہی کا اجتہاد مؤثر و نافذ ہو گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نفاذِ اسلام کے ضمن میں ہمارے سامنے تین راستے کھلے ہیں جن میں سے ایک راستہ یہ ہے کہ کتاب وسنّت کے ماہرین ہی پارلیمنٹ کی رکنیت کے اہل ہوں مگر اس میں رُوحِ عصر کے تقاضے مجروح ہو جاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ پارلیمنٹ کی راہنمائی کے لئے علماء کے بورڈ

کا قیام ہے اور اسی تجویز کی حمایت علامہ اقبال نے بھی کی تھی جو ایک ناقابلِ عمل اور غلط تصور ثابت ہوا اور اس سے تھیاکریسی کی بنیاد بھی استوار ہوتی ہے۔ قابلِ عمل اور محفوظ راستہ صرف یہی ہے کہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو مکمل اختیار سونپ دیا جائے کہ وہ کتاب و سنّت سے انحراف یا تجاوز کو کالعدم قرار دے سکیں چاہے اس کا اجتہاد پارلیمینٹ ہی کی طرف سے کیوں نہ ہوا ہو۔ آج کے جدید دور میں اعلیٰ عدالتیں ہی ملکی دستور و قانون کی محافظ ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے حاضرین کو یاد دلایا کہ موجودہ حکومت نے نفاذِ شریعت ایکٹ کے ساتھ دستور میں آئینی ترمیم کا وعدہ بھی کیا تھا مگر وہ آئینی ترمیم نہ جانے اب تک منظرِ عام پر کیوں نہیں آسکی۔

عہدِ حاضر کے تقاضوں کو
نظامِ خلافت میں سمونا وقت کی اہم ضرورت ہے

لاہور، ۶ دسمبر ۹۱ء: امیر تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے نماز جمعہ سے قبل مسجد دارالسلام، باغِ جناح میں اپنے خطاب میں کہا ہے کہ پوری دنیا پر دینِ اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا، کیونکہ قرآن مجید کی رُو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت یہی تھا۔ اسلام کا یہ غلبہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک نبی اکرمؐ کی ذاتی جدوجہد کے نتیجے میں عمل میں آیا جبکہ دورِ خلافتِ راشدہ میں دنیا کے وسیع علاقے میں اسلام کا نظامِ خلافت قائم ہو چکا تھا۔

داعیٔ تحریکِ خلافت نے کہا کہ آج کی دنیا کا جائزہ لیا جائے تو اس پس منظر میں عالمی سطح پر نظامِ خلافت کا قیام تو بہت دُور کی بات معلوم ہوتی ہے، البتہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت، مجبوری، بے کسی اور بے بسی نوشتۂ دیوار کی طرح محسوس کی جارہی ہے۔ چنانچہ امریکہ کی ہدایت پر عرب ممالک اسرائیل کے سامنے میڈرڈ جیسے شہر میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئے جو عربوں کی عظمتِ رفتہ کا قبرستان ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو بڑی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ نظامِ خلافت کا قیام بھی پہلے پاکستان کی سرزمین میں ہو۔

نظامِ خلافت کے حوالے سے کی جانے والی چہ مگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اب مختلف حلقوں میں نظامِ خلافت کے ذکر پر کھلبلی سی مچی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ استعماری طاقتیں یہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ مسلمانوں کے جذبات کو پھر سے نظامِ خلافت کے حوالے سے بیدار کردیا جائے کہ نظامِ خلافت کا قیام ان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہمارا آئیڈیل خلافتِ راشدہ کا نظام ہی ہے مگر عہدِ حاضر کے تقاضوں کو، جسے روحِ عصر کا نام دیا جاتا ہے، نظامِ خلافت میں سمونا ہوگا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام کی رُو سے حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے البتہ انسان کو خلافت کا منصب عطا کیا گیا ہے تاکہ وہ زمین پر اللہ کے احکامات کا نفاذ کرے۔ انہوں نے واضح کیا کہ خلیفہ کا انتخاب کسی بھی ملک کے تمام مسلمان مرد و زن کریں گے۔ اسلام کی تعلیمات کی رُو سے دیکھا جائے تو خلافت کا منصب در حقیقت تمام مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے۔ اسلامی ریاست میں قانون سازی میں غیر مسلموں کو شریک نہیں کیا جاسکتا جو اس نظامِ حیات کو مانتے ہی نہیں، جس کی بنیاد پر یہ نظام قائم ہے۔ البتہ ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو جان و مال، عزت و آبرو اور عقیدہ و عبادت کی مکمل ضمانت حاصل ہوگی۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو ذمی کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے لئے ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنی دینی اصطلاحات کو پوری جرأت اور ہمت کے ساتھ اپنانے کے ساتھ ساتھ یہ معذرت خواہانہ رویہ ترک کرنا ہوگا کہ ہم "بنیاد پرست" نہیں ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس خیال سے کس کو اختلاف ہوگا کہ پورے عالمِ اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہو مگر بحالاتِ موجودہ ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ نظامِ خلافت کسی ایک ملک سے شروع ہو کر ہی درجہ بدرجہ وسعت اختیار کر کے پورے عالمِ اسلام اور بالآخر تمام دنیا کو اپنی رحمت کے سائے میں لے سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج نظریاتی اعتبار سے پوری دنیا میں بکھرے ہوئے مسلمان "امتِ مسلمہ" کی شکل میں موجود نہیں بلکہ در حقیقت وہ مختلف وطنی اقوام میں بٹے ہوئے ہیں اور "نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر" مسلمانوں کو ایک دیکھنے کی خواہش رکھنے والے امت کے نباض علامہ اقبال نے بھی حقائق کی روشنی میں مسلمان اقوام کی ایک دولتِ مشترکہ کے قیام کی بات کی تھی۔ نظامِ خلافت کے خواہش مند اور آرزو مند تو سبھی ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ نظام دنیا میں صرف اور صرف محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہی ترویج کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے۔

عَنِ الحَارِثِ الاَشعَرِیّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ ۵

بِالجَمَاعَۃِ ۱ وَالسَّمعِ ۲ وَالطَّاعَۃِ ۳ وَالھِجرَۃِ ۴ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ ۵"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۴

الہدیٰ قسط: ۷۸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا انقلاب نبوی ؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۵)

حکمت و احکام جمعہ

سورۃ الجمعہ کا دوسرا رکوع تین آیات پر مشتمل ہے اور اس میں حکمت و احکام جمعہ کا بیان ہے۔ یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ نظام جمعہ کا کیا تعلق ہے اس سورۃ مبارکہ کے مرکزی مضمون اور عمود کے ساتھ۔ اس لئے کہ بظاہر تو معاملہ غیر متعلق نظر سا آتا ہے! ——— تاہم پہلے ان آیات کا ایک رواں ترجمہ کرلینا مفید ہو گا۔ فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ۭ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

"اے اہلِ ایمان، جب تمہیں پکارا جائے، نماز کے لئے جمعے کے دن، تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف، آؤ اللہ کی یاد کی طرف اور کاروبار چھوڑ دو! یہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھو!"

ذہن میں تازہ کیجئے، سورۃ الصف کا دوسرا رکوع بھی شروع ہوا تھا **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** کے الفاظ سے اور اس میں بھی یہ الفاظ وارد ہوئے تھے کہ **ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**"۔ یہ مشابہتِ لفظی بھی بہت قابلِ توجہ ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَہْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَ

تَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○

"جب نماز ادا کی جا چکے' تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کا ذکر جاری رکھو کثرت کے ساتھ' تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (اب ایک متعین واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) جب انہوں نے دیکھا کوئی کاروبار (تجارت) یا کوئی اور دلچسپی کی چیز تو وہ اس کی طرف لپک گئے اور چھوڑ گئے آپ کو (اے نبی) کھڑے ہوئے۔ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے تجارت سے بھی اور دلچسپیوں کی چیزوں (لہو و لعب) سے بھی اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

ان تین آیات میں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہو گیا' ساری بات نمازِ جمعہ اور خطبۂ جمعہ کی ہو رہی ہے۔ جمعے کی فرضیت اس درجے کہ صریحاً فرما دیا گیا کہ جب جمعے کی اذان ہو جائے تو ہر نوع کا کاروبارِ دنیوی ترک کر دیا جائے' ہمہ تن متوجہ ہو جایا جائے! یہ ساری باتیں جو آ رہی ہیں تو پہلے جیسا کہ عرض کیا گیا تھا یہ سمجھئے کہ اس کا ربط کیا ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں......

درحقیقت یہ نظامِ جمعہ جس کو ہم نے ایک رسم بنا لیا ایک نہایت عظیم اور مبنی برحکمت نظام ہے۔ اس معاملے میں تو شاید مسلمانوں کو دنیا کی کوئی قوم بھی مات نہ دے سکے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک رسم بنا کر رکھ دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اعمال کی محض صورت اور شکل باقی رہ جاتی ہے اور اس کی روح غائب! یہ بات نظروں کے سامنے رہتی ہی نہیں کہ وہ عمل کس لئے تھا' اس کا مقصد کیا تھا؟ بس عمل کی ظاہری صورت باقی رہتی ہے اور اس کی حیثیت ایک رسم (Ritual) سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اسی طرح کا معاملہ جمعے کا ہے۔ آج اس گئے گذرے دور میں بھی مسلمانوں میں ابھی

کثیر تعداد میں وہ لوگ موجود ہیں جو جمعے کے لئے بڑے اہتمام سے تیار ہو کر آتے ہیں' نہا دھو کر' اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن کر' خوشبو لگا کر آتے ہیں لیکن یہ بات بالعموم پیشِ نظر نہیں ہوتی کہ اس نظامِ جمعہ کا اور اس سب اہتمام کا حاصل کیا ہے' اس کی غرض و غایت کیا ہے' اس کی حکمت کیا ہے!------- اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس جمعے کی اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی وجہ سے ہے' ورنہ جمعے کی نماز میں فرض رکعتوں کی تعداد نمازِ ظہر سے بھی نصف رہ جاتی ہے جس کا کہ وہ قائم مقام بنتی ہے۔ نمازِ ظہر کی چار رکعتیں ہیں جب کہ نمازِ جمعہ میں کُل دو رکعات فرض شامل ہیں' گویا نماز کی رکعتوں کی تعداد کم ہو گئی۔ جمعے کو جس چیز نے "جمعہ" بنایا ہے وہ خطبۂ جمعہ ہے' اور خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت کیا ہے' اسے مسلم شریف کی ایک روایت کے حوالے سے سمجھئے کہ حضورؐ کیا کیا کرتے تھے خطبۂ جمعہ میں؟---- **"کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَقرَءُ القُرآنَ وَ یُذَکِّرُ النَّاسَ"** "--- "آپؐ قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے" یاد دہانی کیا کرتے تھے۔ یہ تذکیر بالقرآن وہی ہے جس کا ذکر سورہ قٓ کی آخری آیت میں آیا ہے۔ **"فَذَکِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیدِ○"** کہ اے نبی' اس قرآن کے ذریعے سے تذکیر فرمایئے اور یاد دہانی کراتے رہیے ہر اس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو----

حکمتِ جمعہ

خطبۂ جمعہ دراصل عوامی سطح پر تذکیر بالقرآن ہی کی ایک ہمہ گیر شکل ہے۔ یہ گویا تعلیم بالغان کا ایک عظیم نظام ہے جو امت میں رائج کیا گیا کہ کوئی نائبِ رسول منبرِ رسولؐ پر کھڑا ہو اور قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے تذکیر و نصیحت کا وہی فریضہ سرانجام دے جو درحقیقت انقلابِ محمدیؐ کی جڑ اور بنیاد ہی نہیں مرکز و محور بھی ہے۔ یعنی **"یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ"** اسی نبوی عمل کو دوام بخشا گیا اور اسے امت کے اندر ایک مستقل عمل کی حیثیت سے جاری کر دیا گیا نظامِ جمعہ کی صورت میں۔ کہ لوگ خطبہ سننے کے لئے پورے اہتمام سے نہا دھو کر آئیں' اعصاب چاق و چوبند ہوں' ماحول معطر ہو۔ غور کیجئے' یہ ساری ہدایات کیوں دی گئیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں یہاں تک فرمایا کہ کیا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم

اپنے ان کپڑوں کو جو محنت مزدوری کے وقت پہنتے ہو' علیحدہ رکھو اور جمعے کے لئے ایک صاف ستھرا جوڑا علیحدہ تیار رکھو؟ تاکہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہاں کا ماحول پسینے کی بدبو سے منغض نہ ہو بلکہ پاک صاف اور معطر ماحول ہو کہ مسلمان خطبۂ جمعہ پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ سُن سکیں اور کوئی نائبِ رسول جب عمل نبویؐ کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے آیاتِ قرآنی کے ذریعے سے وعظ و نصیحت کرے تو ان باتوں کو سننے اور سمجھنے کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔

ہفتہ وار اجتماعات کی ضرورت

یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ ہر انقلابی جماعت کے لئے اس طرح کے اجتماعات کا اہتمام کرنا ایک لازمی امر ہے۔ ہر انقلابی گروہ یا جماعت کا کوئی نہ کوئی لٹریچر ہوتا ہے جو اس کے اساسی افکار و نظریات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور کسی بھی انقلابی گروہ یا جماعت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اساسی لٹریچر کے ساتھ اپنے ذہنی ربط و تعلق کو برقرار رکھے اور اس لٹریچر کے ذریعے وقتاً فوقتاً اپنے افکار و نظریات کو تازہ کرتی رہے۔ مختلف جماعتیں اسی غرض سے ہفتہ وار اجتماعات کا اہتمام کیا کرتی ہیں۔ مسلمان بھی دراصل ایک نظریاتی گروہ کے افراد ہیں۔ اس گروہ یا امت کے سامنے ایک عظیم مشن ہے' فرائضِ رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی امت کے کاندھوں پر آئی ہے' انقلابِ نبویؐ کی عالمی سطح پر تکمیل امت کا مشن قرار پایا ہے۔ اور اس انقلابی جماعت کا لٹریچر ہے قرآن مجید۔ ان کے فکر کو تازہ کرنے اور ان کے نقطۂ نظر کو صحیح رکھنے کے لئے اس ابدی لٹریچر کی پیہم اور مسلسل تعلیم کا نظام جاری کر دیا گیا خطبۂ جمعہ کی شکل میں۔ اس خطبے کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فرمایا گیا کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو ایک دوسرے سے کلام نہ کرو۔ یہاں تک کہ دورانِ خطبہ اگر تم نے اپنے ساتھی سے یہ کہا کہ خاموش رہو تو اتنا کہنا بھی ایک ناپسندیدہ حرکت ہے۔ **"اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ"** کہ اگر کسی نے کوئی لغو حرکت کی کہ دوران خطبہ بولنا شروع کر دیا اور تم نے اس سے کہا کہ "چپ ہو جاؤ" تو تم نے بھی ایک لغو حرکت کا ارتکاب کیا۔ پوری خاموشی کے ساتھ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنو' اللہ کے پاک کلام کی جو تعلیم و تلقین ہو رہی ہے اور اس کے ذریعے سے جو تذکیر و

نصیحت کا جو عمل خطبے کی صورت میں جاری ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ!

خطبۂ جمعہ کی اہمیت کا اندازہ حضورؐ کے اس فرمان سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب خطبے کا آغاز ہو جاتا ہے تو وہ فرشتے کہ جو مسجد کے دروازوں پر بیٹھے آنے والوں کی حاضری کا اندراج کر رہے ہوتے ہیں' اپنے صحیفے اور رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور وہ خود ہمہ تن خطبے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جمعے میں صرف وہی لوگ حاضر شمار ہوتے ہیں جو وقت پر آئیں اور مکمل خطبے کی سماعت کریں۔ ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے' اول تو وہ خطبہ ہے عربی زبان میں اور ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ؎ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! ـــــ اس کی تلافی کے لئے اگر تقریروں کا اور وعظوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو بڑے دکھ کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان تقریروں میں اور سب کچھ ہوتا ہے سوائے قرآن کے! اس میں سیاست پر بات ہوگی' فرقے واریت پر گرما گرم گفتگو ہوگی' اس میں کہانیاں ہوں گی' لطیفے بیان ہوں گے' نہیں ہوگا تو بس قرآن نہیں ہو گا جس کے لئے یہ سارا نظام تجویز کیا گیا! جس کے لئے یہ سارا کھکھیڑ مول لیا گیا ہے!

یہ ہے حکمت و احکامِ جمعہ کا مضمون جو اس سورۂ مبارکہ میں بڑی جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ جمعے سے متعلق احکام دوسرے رکوع میں وارد ہوئے اور اس کی حکمت کا بیان گویا پہلے رکوع میں ہو گیا کہ وہی نبوی عمل جس کا بیان چار اصطلاحات کی صورت میں ہوا **"يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"** اس کو دوام اور تسلسل عطا کر دیا گیا خطبۂ جمعہ کی شکل میں۔ بلا شبہ یہ تعلیمِ بالغاں کا ایک عظیم نظام ہے۔ چشمِ تصور سے دیکھئے آج اس گئے گذرے دور میں بھی لاکھوں انسان جمعہ کے لئے بڑے اہتمام سے تیار ہو کر آتے ہیں۔ ؎ "کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی"۔ افسوس کہ یہ عظیم عمارت فی الواقع اب کھنڈر بن چکی ہے۔ اس کی حکمت اور اس کی غرض و غایت ہمارے پیشِ نظر ہی نہیں رہی' جمعہ اب ہمارے ہاں بس ایک رسم بن کر رہ گیا ہے اور اس کو رسم کی حیثیت سے ادا کرنے والے آج بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن ہماری کوتاہی کے باعث اس سے وہ مقصود حاصل نہیں ہو رہا جو کہ اس مبارک عبادت سے حاصل ہونا چاہئے ـــــ

احکامِ جمعہ ۔ بعض دیگر ہدایات

بہر کیف یہ ہے وہ ربط و تعلق جو دوسرے رکوع کی تین آیات کا اس سورۂ مبارکہ کے عمود کے ساتھ بنتا ہے۔ اس دوسرے رکوع میں بعض مضامین اور بھی ہیں جو اگرچہ سورۃ کے عمود اور ربطِ کلام کے اعتبار سے ضمنی قرار پائیں گے لیکن بہرحال ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک قیمتی موتی ہے۔ ایک تو خطبۂ جمعہ کی خصوصی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ **"فاسعوا الی ذکر اللہ"** کہ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف!۔۔۔۔۔ خیال رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ یہ وقار کے منافی ہے۔ ورنہ یہاں لفظی ترجمہ تو یہی ہو گا کہ دوڑو اللہ کی یاد کی طرف۔ لیکن ہم اس سے مراد لیں گے کہ پوری مستعدی کے ساتھ ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔

اگلے الفاظ بھی نہایت قابلِ توجہ ہیں۔ **"وَذَرُوا الْبَيْعَ"** کاروبار ترک کر دو! **"ذَرُوا"** امر کا صیغہ ہے اور یہ قاعدہ سب کے علم میں ہے کہ **"اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْب"**۔ چنانچہ اذانِ جمعہ کے بعد کاروبارِ دنیوی مطلقاً حرام ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ ذہن میں رہے کہ یہ حکم اصلاً اذانِ ثانی سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ کے زمانے میں ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ دوسری اذان کا اضافہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں کیا گیا جب مدینۂ منورہ نے وسعت اختیار کر لی۔ لہٰذا اس حکم کا پوری شدت کے ساتھ اطلاق تو ہو گا اذانِ ثانی کے بعد۔ لیکن تبعاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اذانِ اولیٰ کے بعد جمعہ کی تیاری کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو جانا اور مسجد کی طرف لپکنا اس آیت کے منشا میں شامل ہے۔

اس آیت میں لفظ "ذکر" بھی خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے۔ یہاں ذکر سے مراد ہے خطبۂ جمعہ۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خطبہ دراصل قرآن کی تعلیم ہی کا ایک ذریعہ ہے۔ خطیب کا کام یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیات کے حوالے سے تذکیر کرے، وعظ و نصیحت کرے۔ اور قرآن مجید خود اپنے آپ کو بھی "الذکر" قرار دیتا ہے۔ سورۃ الحجر کی اس آیت میں بھی جو کثرت سے بیان کی جاتی ہے، قرآن کے لئے "الذکر" کا لفظ آیا ہے: **"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"** کہ ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

امت مسلمہ کے لئے خصوصی سہولت

اس کے بعد فرمایا کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو پھیل جاؤ زمین میں۔ **(فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ)** اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ سابقہ امت میں یوم السبت (ہفتے کا دن) کُل کا کُل عبادت کے لئے مخصوص تھا اور اس میں کاروبارِ دنیوی مطلقاً حرام تھا۔ لیکن امتِ محمدؐ کے لئے اس معاملے میں آسانی پیدا کی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ صرف اذانِ جمعہ سے لے کر اختتامِ نماز تک دنیوی کاروبار اور تجارتی لین دین کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اجازت دے دی گئی کہ جب نماز ادا ہو چکے تو اب تمہیں اختیار ہے کہ جاؤ اور تلاشِ معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ اس ضمن میں جو الفاظ یہاں لائے گئے ہیں وہ نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ فرمایا "**وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ**" کہ جو کچھ تم کماؤ گے اسے اللہ کا فضل سمجھو' اسے اپنی محنت کا نتیجہ سمجھنا درست نہ ہو گا۔ محنت یقیناً تمہیں کرنی ہے، لیکن جو رزق اور روزی تمہیں عطا ہوئی ہے یہ اللہ کا فضل ہے۔ ایک بندہ مومن کا نقطۂ نظر یہی ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی تاکید فرما دی: **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ۝ کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہئے۔ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھنے کی کوشش کرو۔۔۔۔ "اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ دوامِ ذکر کی بڑی فضیلت ہے۔ "**اِستحضارُ اللّٰہِ فِی القَلبِ**" یعنی اللہ کی یاد کو دل میں تازہ رکھنا پسندیدہ ہی نہیں مطلوب بھی ہے۔ اور یہاں تو اسے فلاح کے لئے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آخری آیات کے حوالے سے ذکر کے مفہوم پر کچھ باتیں قدرے تفصیل سے عرض کی جا چکی ہیں ان کو ذہن میں تازہ کیجئے۔

اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت میں ایک متعین واقعے کے حوالے سے تنقید کر کے خطبۂ جمعہ کی اہمیت کو مزید واضح کر دیا کہ خطیب جب خطبہ دے رہا ہو تو اس حال میں اسے چھوڑ کر کسی تجارتی لین دین یا کسی دیگر مصروفیت کی جانب متوجہ ہو جانا نہایت نامناسب طرزِ عمل ہے خواہ کسی اشد ضرورت کے تحت یہ معاملہ کیا گیا ہو۔ مختصراً یہ کہ سورۂ مبارکہ گویا گھوم رہی ہے اس مرکزی آیۂ مبارکہ کے گرد: "**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ**" اور یہی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریقِ کار اور انقلابِ محمدیؐ کا اساسی منہاج!

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ

فریضۂ شہادت علی النّاس

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

مطالباتِ دین کے ضمن میں "فریضۂ بندگیٔ رب" کے بعد دین کا دوسرا عظیم مطالبہ اور تقاضا "شہادت علی النّاس" کے فریضہ کی ادائیگی ہے۔ یہ مطالبہ سورۃ البقرہ کے ۱۷ویں رکوع کی تیسری آیت میں ان الفاظ میں ہمارے سامنے آتا ہے :

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی امّت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے"۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ اس آیتِ کریمہ کے بھی ایک ایک لفظ کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے ہر ہر لفظ کے حوالے سے وہ سبق' وہ ہدایت' اور وہ رہنمائی ذہن نشین کرلیں جو اس آیت کے ذریعہ ہر مسلمان کو انفرادی طور پر اور امّتِ مسلمہ کو اجتماعی طور پر دی جارہی ہے۔

آیتِ مبارکہ کا محلّ ومقام

اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے سے قبل ضروری ہے کہ اس کے مقام اور محلّ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے جس میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اور اس سلسلۂ کلام سے بھی واقفیت حاصل کرلی جائے جس کی یہ ایک اہم کڑی ہے۔ قرآن حکیم ایک مربوط کلام ہے اور اس کی ہر آیت سلسلۂ کلام سے ربط و تعلق رکھتی ہے۔ فہمِ قرآن کے لئے نظمِ آیات اور سیاق و سباق کا علم انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا اوّلاً ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کیا بحث اور گفتگو چل رہی ہے جس کے ضمن میں یہ آیتِ مبارکہ ایک اہم کڑی کی

حیثیت سے وارد ہوئی ہے۔

"دعوتِ بندگیٔ ربّ" کے ذیل میں میں یہ عرض کرچکا ہوں کہ سورۃ البقرہ کے ابتدائی دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانی کرداروں کی نقشہ کشی کی گئی ہے۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اس کتابِ ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کفرو ضلالت میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں اور ان پر تعصب اور ضد کا اتنا شدید غلبہ ہوگیا ہے کہ اب انہیں کوئی دعوتِ تبشیر و انذار نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اور تیسرے وہ کہ جو بین بین ہیں' جو اگرچہ اپنے آپ کو اہلِ ایمان ہی میں شمار کرتے ہیں لیکن درحقیقت ان کو نفاق کا مرض لاحق ہے اور وہ اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ تیسرے رکوع میں قرآن حکیم کی مرکزی اور آفاقی دعوت "دعوتِ بندگیٔ ربّ" بیان کی گئی ہے' جس پر مفصل گفتگو ہوچکی ہے۔ چوتھے رکوع میں حضرت آدمؑ کی تخلیق اور ان کو خلافتِ ارضی عطا کئے جانے کا ذکر ہے' پھر حضرت آدمؑ کے سامنے سر بسجود ہونے سے انکار پر ابلیس کے ساتھ پیش آنے والے معاملے اور حضرت آدمؑ و حوا اور ابلیسِ لعین کے ہبوطِ ارضی کا ذکر ہے۔ بعد ازاں پانچویں رکوع سے چودھویں رکوع تک مسلسل دس رکوع بنی اسرائیل سے خطاب پر مشتمل ہیں۔ بنی اسرائیل کی حیثیت درحقیقت سابقہ امّتِ مسلمہ کی ہے۔ شریعتِ محمدیؐ سے قبل کی شریعت شریعتِ موسویؑ ہے اور بنی اسرائیل حاملینِ کتاب و شریعت تھے۔ اس مفصّل خطاب میں اس امّت (بنی اسرائیل) کے جو جرائم تھے' ان کی جو غلطیاں تھیں' انہوں نے جس جس طریقہ سے قانونِ خداوندی کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور جس جس طرح اپنے فرائض سے کوتاہی کا ثبوت دیا تھا انہیں اس کی ایک مسلسل فردِ قراردادِ جرم سنائی گئی ہے۔ گویا بنی اسرائیل کے تمام جرائم کا ایک خلاصہ نکال کر ان دس رکوعوں میں رکھ دیا گیا اور پھر اعلان کیا گیا کہ اے بنی اسرائیل! ان جرائم کی پاداش میں تم "امتِ مسلمہ" کے مقام و مرتبہ سے معزول کئے جارہے ہو اور اب اس مقام پر تمہاری جگہ ایک نئی امت کو فائز کیا جارہا ہے اور وہ ہے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نئی امت کے لئے بیتُ اللہِ الحَرام ہی کو قبلہ مقرر کیا جارہا ہے جو ہمیشہ سے تھا' اور وہ قبلہ جو بنی اسرائیل کی امت کے لئے مقرر کیا گیا تھا یعنی بیت المقدس اس کو منسوخ کیا جارہا ہے۔ چنانچہ چودھویں رکوع میں بنی اسرائیل سے خطاب کے خاتمہ کے بعد پہلے بیت اللہ

کی تاریخ بیان کی گئی اور اس کے معمارِ اوّل جناب حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور جناب حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ نے خدا کے اس گھر کی تعمیر کے وقت اس کے حضور جو دعائیں کی تھیں ان کا ذکر آیا۔ پھر سترہویں رکوع میں تحویلِ قبلہ کا حکم آیا اور اس کے ساتھ ہی آیت زیرِ درس میں، امتِ محمدؐ کا امتِ وسط (بہترین امت) کے مقام پر فائز کئے جانے کا اعلان ہوا۔ تحویلِ قبلہ گویا اس امر کا اعلان (Declaration) ہے کہ بنی اسرائیل، جن کا قبلہ بیت المقدس تھا، آج اس مقام سے معزول کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب عطا کیا جارہا ہے۔ یہ ہے وہ سلسلۂ کلام جس کے ذیل میں یہ آیتِ مبارکہ وارد ہوئی ہے۔

امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس

اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں درحقیقت اس امت کی غرضِ تاسیس بیان کی گئی ہے۔ یعنی یہ امت کیوں بپا کی جارہی ہے، اس کا قیام کس لئے عمل میں لایا جارہا ہے؟ چنانچہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

"اور اسی طرح ہم نے بنایا تم کو امتِ وسط (بہترین امت) تاکہ ہوجاؤ تم گواہ پوری نوعِ انسانی پر اور رسولؐ ہوجائیں گواہ تم پر"

اس آیتِ مبارکہ میں سب سے پہلا لفظ "كَذٰلِكَ" ہے جس کا ترجمہ ہوگا: "ایسے ہی" یا "اسی طرح" — گویا کہ اس کلمہ "کذٰلک" نے اس اعلان کو تحویلِ قبلہ کی بحث کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ یعنی جو تحویلِ قبلہ کا حکم دیا جارہا ہے اسے کوئی معمولی سا واقعہ نہ سمجھو۔ یہ تو درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اب امتِ بنی اسرائیل کا وقت ختم ہوا، وہ معزول کردئے گئے، ان کا قبلہ منسوخ کردیا گیا اور اب اس قبلہ ابراہیمی کے گرد ایک نئی امت امتِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تاسیس و تشکیل ہورہی ہے، جسے "شہادت علی الناس" کی ذمہ داری سونپی جارہی ہے۔ اس سے پہلے جو ذمہ داریاں بنی اسرائیل کے سپرد کی گئی تھیں وہ اب اس نئی امت کے سپرد کی جارہی ہیں۔ "کذٰلک" کا

مفہوم دراصل یہ ہے---

لفظ "امت" کیوں استعمال ہوا؟

"کذٰلک" کے بعد الفاظ ہیں: "جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا" (ہم نے تم کو بنایا درمیانی امت یا بہترین امت!) اس ٹکڑے میں سب سے پہلے لفظ "امت" پر غور کیجئے۔ مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے قرآن مجید کی اصل اصطلاح "امت" ہے۔پورے قرآن مجید میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کو ظاہر کرنے کے لئے کہیں بھی لفظ " قوم" استعمال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح حدیث نبویؐ میں بھی مسلمان امت کے لئے "قوم" کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ قومیت کا جو تصور ہمیشہ سے چلا آرہا ہے وہ یہ ہے کہ قومیں یا تو نسل کی بنیاد پر بنتی ہیں یا علاقہ' ملک' وطن اور زبان کی بنیاد پر۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کو ایک قوم کے تشخص میں اساسی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی خاص ملک کی حدود میں رہنے والے ایک علیحدہ قوم کہلاتے ہیں' کوئی ایک زبان بولنے والے ایک الگ قوم تصور کئے جاتے ہیں۔ لیکن قومیت کا یہ تصور ہمارے دین' ہماری تہذیب' ہمارے تمدن' اور ہماری روایات سے بالکل متناقض ہے۔ قرآن و حدیث کی رُو سے اس کا ہماری ہیئتِ اجتماعیہ سے قطعاً کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ہماری ہیئت اجتماعیہ کے لئے اس لفظ "قوم" کو سرے سے استعمال ہی نہیں کیا۔

"دعوتِ بندگیٔ ربّ" کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام سابق انبیاء علیہم السلام کی دعوت اپنی اپنی قوم کے لئے تھی اور ان کا کلمۂ خطاب "یا قَوْمِ" (اے میری قوم کے لوگو!) ہوتا تھا۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مخاطبین کے لئے قرآن حکیم میں "یا قَوْمِ" کی بجائے "یا اَیُّھَا النَّاسُ" (اے بنی نوعِ انسان!) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ گویا یہ قومیت سے ایک بلند تر منزل اور اس سے اعلیٰ وارفع ایک مقام ہے کہ جہاں سے اب بات شروع کی جارہی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرلیا ہے' جنہوں نے عبادتِ ربّ کے نظریہ کو تسلیم کرلیا ہے' جو خدا کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کا عہد استوار کررہے ہیں وہ اب مل جل کر ایک جمعیت بنیں گے تو ان کی ہیئتِ اجتماعیہ کو "قوم" سے تعبیر نہیں کیا جائیگا' بلکہ اس کے لئے قرآن مجید کی اصل

اصطلاح "امت" ہے۔ ماہرینِ لغت نے امت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ایسے افراد پر مشتمل ایک ہیئتِ اجتماعیہ جن کے مابین کوئی قدرِ مشترک' کوئی امرِ جامع یا چند ایسے مسلّمہ اصول ہوں جو انہیں جوڑے رکھیں۔ چنانچہ ہماری جمعیت کے لئے اصل لفظ "امت" کا ہے۔ دوسرا لفظ جو مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے بولا جاتا ہے اور خصوصاً ہماری شاعری میں بہت زیادہ مستعمل ہوگیا ہے وہ لفظ "ملت" ہے۔ لیکن اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں لفظ ملت نہ تو قوم کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ ہی امت کے۔ بلکہ ملت کا اصل ترجمہ ہے "طریقہ' کیش"۔ ملتِ ابراہیمؑ کا مفہوم ہوگا "ابراہیمؑ کا طریقہ" چنانچہ مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے لفظ ملت کا استعمال بھی درست نہیں' بلکہ لفظ امت ہی اس مفہوم کی ادائیگی کرتا ہے۔ اس مفہوم کے لئے قرآن مجید کا دوسرا لفظ "حزب" ہے جس کا صحیح ترجمہ "پارٹی" ہوگا۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا "اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ" کہ یہ اللہ کی پارٹی ہے' اللہ کی جماعت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہدِ وفاداری استوار کیا ہے اور اس کی اطاعت کا قلادہ اپنے گلے میں پہن لیا ہے۔ رہا باقی لوگوں کا معاملہ تو جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ عہدِ اطاعت استوار کیا ہے تو وہ سب کے سب "حزبُ الشیطان" ہیں۔ اس طرح قرآن مجید پوری نوعِ انسانی کو دو جماعتوں یا دو پارٹیوں میں تقسیم کرتا ہے ــــ ایک حزبُ اللہ یعنی اللہ کی پارٹی اور دوسری حزبُ الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی۔ مقدم الذکر کے بارے میں فرمایا گیا: اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ "یہ ہیں وہ لوگ جو اللہ کی جماعت ہیں اور اچھی طرح سمجھ لو کہ (انجام کار کے طور پر) اللہ کی جماعت کے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں"۔ سورۂ آل عمران میں بھی ہماری ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے یہی لفظ "امت" استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ "تم بہترین امت ہو"۔ اس ساری گفتگو کے نتیجہ میں لفظ امت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے ــ جو لوگ دعوتِ عبادتِ ربّ کو قبول کریں گے چاہے وہ کوئی ہوں' مغرب سے ہوں یا مشرق سے' شمال کے ہوں یا جنوب کے' کوئی زبان بولتے ہوں' کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں' کسی شکل و صورت اور رنگ کے حامل ہوں' وہ سب بلا امتیاز ایک مجموعۂ افراد بن گئے اور وہ از رُوئے قرآن "امتِ مسلمہ" کے رکن قرار پاگئے۔

"امتِ وسط" کا مفہوم

اس آیۂ مبارکہ میں "امت" کی صفت کے طور لفظ "وسط" استعمال ہوا ہے' جس کا لغوی مفہوم "درمیانی" ہے۔ چنانچہ "اُمّۃً وسطًا" کا لفظی ترجمہ ہوگا "ایک درمیانی امت"۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ "بہترین امت" کیا ہے' جسے ترجمہ کی بجائے ترجمانی کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ جو چیز درمیانی ہو' وہی بہترین ہوتی ہے۔ جو چیز دو انتہاؤں (Extremes) کے درمیان ہو' معتدل ہو' جس کے اندر ہر اعتبار سے توازن پایا جاتا ہو' وہی شے بہترین گردانی جائے گی۔ لہٰذا اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ بالعموم یہی کیا جاتا ہے کہ "اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا...." اس مفہوم کی تائید سورۂ آل عمران کی اس آیتِ مبارکہ سے ہوتی ہے کہ "کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" یعنی تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کی راہنمائی کے لئے برپا کیا گیا ہے' تم بہترین مجموعہ افراد ہو' تم پوری نوعِ انسانی کا "مکھن" ہو' تم ہی نوعِ انسانی کے لئے بمنزلۂ نمک ہو' تم سے تمکینی حاصل کی جائے گی۔ اللہ کی ہدایت کی امانت تمہارے پاس ہوگی اور نوعِ انسانی اس ہدایت سے استفادہ کرے گی۔ پس یہ مفہوم ہوا "امتِ وسط" کا جس کی تائید ہمیں سورۂ آل عمران کی "خیرِ امت" والی آیت سے مل گئی۔

"امتِ وسط" کا ایک دوسرا مفہوم بھی لیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ لفظِ وسط "واسطہ" کا مفہوم رکھتا ہے۔اس اعتبار سے "امتِ وسط" کا مفہوم خدا اور انسانوں کے مابین واسطوں میں سے ایک واسطہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے مابین وسائط کا ایک سلسلہ ہے جس کی پہلی کڑی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں کہ جن کے واسطہ سے ہدایتِ خداوندی محمدؐ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ دوسرا واسطہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کہ پوری نوعِ انسانی ہدایت کے لئے آنحضورؐ کی محتاج ہے۔ نوعِ انسانی اگر ہدایتِ ربّانی حاصل کرنا چاہتی ہے' وہ خدا سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں' حق کیا ہے' باطل کیا ہے' صحیح کیا اور غلط کیا ہے تو اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ یہ ہدایت محمدؐ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس سلسلۂ وسائط کی تیسری کڑی ہے امتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔۔۔

اس لئے کہ نبی اکرمؐ کی طرف سے ہدایت کی امانت امت کو منتقل ہو گئی۔ حضورؐ نے سرزمینِ عرب کی حد تک اپنے فریضۂ تبلیغ و رسالت کی بنفسِ نفیس تکمیل فرما کر یہ ذمہ داری امت کو منتقل فرمادی۔ قرآن حکیم میں وحی کے ضمن میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ذمہ داری بایں الفاظ بیان کی گئی ہے: وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۱۹:۶) "اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ اس کے ذریعے تم کو اور جس جس کو یہ (قرآن) پہنچے ان سب کو خبردار کروں"۔ جس کو یہ قرآن پہنچ جائے اس پر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت ہو جائے گا۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کی روشنی کو عام کرنا اور دنیا بھر کے انسانوں تک پہنچانا امت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ بنی نوعِ انسان کے لئے ہدایت و رہنمائی کا جو سلسلہ قائم ہوا ہے اس میں پہلا واسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا، دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا اور تیسرا واسطہ امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ہے۔ اور یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ امت اسی لئے "امتِ وسط" کہلاتی ہے کہ یہ اس سلسلۂ ہدایت کی ایک کڑی اور ایک واسطہ ہے۔

اس بات کی تائید اسی آیۂ مبارکہ کے اگلے ٹکڑے سے ہو رہی ہے، جہاں فرمایا گیا: لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ـــــ "تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر"۔ تو گویا یہاں وسائط کا وہ سلسلہ واضح کیا جارہا ہے کہ اے امتِ محمدؐ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم تک ہماری کتابِ ہدایت اور دینِ حق کی تبلیغ، تعلیم اور تبیین کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ اپنے قول اور اپنے عمل سے حق کی شہادت دے چکے اور اللہ کی اطاعت پر مبنی نظامِ زندگی بالفعل قائم کر کے دکھا چکے۔ یہ گویا رسولؐ کی گواہی ہو گئی تم پر ـــــ اور اب یہی گواہی بنی نوعِ انسان پر قائم کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ یعنی اب تمہیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابِ ہدایت اور دینِ حق کو عملاً نافذ کر کے دنیا کے سامنے حق کی شہادت دینی ہے۔

امتِ مسلمہ کا اجتماعی نصب العین

آیت کے اس ٹکڑے پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے۔ "لِتَكُوْنُوْا" کے آغاز میں جو

حرفِ "لام" آیا ہے یہ "لامِ غایت" بھی ہے جو ایک مقصد کو معین کر رہا ہے "تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ!" ـــــ یعنی تمہاری جمعیت جسے "امتِ وسط" کا نام دیا گیا ہے ایک بے مقصد جمعیت نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک معین مقصد اور ایک مقرر نصب العین ہے۔ تمہاری ہیئتِ اجتماعیہ دنیا کی تمام ہیئاتِ اجتماعیہ سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ تمام اقوامِ عالم اپنے لئے جیتی ہیں، لیکن تمہیں نوعِ انسانی کے لئے زندہ رہنا ہے۔ ان کے پیشِ نظر اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ اپنی عزت، اپنے وقار، اپنے مسائل، اپنے مفادات اور اپنی آزادی کے تحفظ کی فکر کریں اور اپنی روایات اور اپنی مصلحتوں کا لحاظ رکھیں۔ لیکن تمہارا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس ضمن میں سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

"تم وہ بہترین امت ہو، جسے بنی نوع انسان (کی فلاح و بہبود) کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر (پختہ) ایمان رکھتے ہو"۔

یعنی لوگوں کو معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا اس "خیرامت" کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد خود اپنے ذاتی مفادات کا حصول اور اپنے مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ ہماری ہیئتِ اجتماعیہ کی اصل غرضِ تاسیس نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ آیۂ زیرِ مطالعہ میں "**لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ**" کے الفاظ امت کے اسی آفاقی اور اجتماعی نصب العین کو بیان کر رہے ہیں۔

قوموں کے لئے اجتماعی نصب العین کی اہمیت

کسی بھی مجموعۂ افراد اور ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے ایک اجتماعی نصب العین ناگزیر ہوتا ہے، جس کے بغیر اس ہیئتِ اجتماعیہ کی حیثیت بے لنگر کے اس جہاز کی سی ہوتی ہے جس کی اپنی کوئی منزل نہیں ہوتی اور وہ لہروں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں جو قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک حالات دن بدن ابتر ہوتے چلے گئے ہیں تو

اس کا اصل سبب میرے نزدیک یہی ہے کہ ہمارا کوئی آفاقی اور اجتماعی نصب العین ہے ہی نہیں۔ ہم ایک ایسی قوم اور ایک ایسا مجموعۂ افراد بن کر رہ گئے ہیں کہ جن کے سامنے کوئی اجتماعی نصب العین سرے سے موجود ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے ذاتی معاملات و مسائل میں غلطاں و پیچاں' اپنے ذاتی مفادات و اغراض کے حصول میں کوشاں اور اپنے معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس کے سامنے اس کی مساعی' اس کی جدو جہد اور اس کی کوشش و محنت کا کوئی دوسرا ہدف اور اس کی صلاحیتوں اور اوقات کا کوئی دوسرا مصرف سرے سے موجود ہی نہیں۔ لہٰذا اس کی ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ کا مرکز و محور یہی بن کر رہ گیا ہے کہ وہ اپنا گھر سجائے' اپنی بلڈنگیں اونچی کرے' اپنے کاروبار کو مزید ترقی دے' اپنے آرام و آسائش کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان فراہم کرے' اپنی کاروں کے ماڈل ہر سال بدلتا چلا جائے اور زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے تعیش کی نت نئی راہیں تلاش کرے۔ اجتماعی نصب العین کے فقدان کے سبب سے ہماری قومی زندگی ایک بہت بڑے خلا کا شکار ہو کر رہ گئی ہے' جس کے ہولناک نتائج ہم بھگت رہے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی کے اندر قربانی اور ایثار کا کوئی جذبہ نہیں' اپنے ہم جنسوں کی ہمدردی کا کوئی مادہ نہیں۔ جہاں تک دنیا کی دوسری اقوام کا تعلق ہے تو ان کی قومیت کی تاسیس چاہے غلط بنیادوں پر ہوئی ہو لیکن یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ وہ قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ چاہے نسل کی بنیاد پر قوم بنے ہوں' چاہے وطن اور علاقہ کی بنیاد پر' لیکن ان میں جب ایک "قوم" ہونے کا شعور پختہ ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک اپنے ذاتی مقاصد اور مفادات ثانوی درجہ کے حامل ہو جاتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں اصل اہمیت ایک قومی نصب العین کو حاصل ہو جاتی ہے۔ ان میں یہ احساس اجاگر ہو جاتا ہے کہ ان کو اپنی قومی عظمت کے لئے کام کرنا ہے' اپنی قوم کے مفاد کے لئے کوشش کرنا ہے' اپنے وطن کی عظمت اور اس کا نام اونچا کرنے کے لئے کام کرنا ہے۔ لیکن ہم وہ بد نصیب قوم ہیں کہ جو اپنے نصب العین ہی کو بُھلا بیٹھی ہے۔ یاد رہے کہ قومیت کا نعرہ ہم کو کبھی اپیل نہیں کر سکتا' اس لئے کہ یہ تصور ہماری روایات اور تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ زبان و نسل' رنگ و خون اور علاقہ و وطن کی بنیاد پر ہم کبھی بھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔ ہم خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور کیسی ہی پستی میں گر جائیں' لیکن

یہ چیزیں ہمیں کبھی بھی اپیل نہیں کر سکیں گی' اس لئے کہ آخر ہماری ڈیڑھ ہزار برس کی تاریخ ہے' ہماری تابندہ روایات ہیں' اور ماؤں کے دودھ کے ساتھ جو تعلیم ہمارے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے اس میں یہ بات بھی بہرحال موجود ہے کہ یہ چیزیں ہمیں کبھی بھی اجتماعی حیثیت سے متاثر نہیں کر سکیں گی۔ ایک طرف یہ خوبی ہے' لیکن دوسری طرف ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ ہمارا اصل نصب العین ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے اور اس کا ہمیں شعور حاصل نہیں رہا۔ لہٰذا اب ہم اس خلا کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں اور بے لنگر جہاز کی طرح موجوں کے رحم و کرم پر ہچکولے لے رہے ہیں۔

اس مسئلہ پر میں ایک بات مزید عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی قوم کے سامنے اجتماعی نصب العین کے ہونے یا نہ ہونے سے کتنا عظیم الشان فرق واقع ہوتا ہے۔ آج دنیا کے سامنے ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ اور اکثر یورپی ممالک کی نوجوان نسل اس خلا سے دوچار ہے کہ اب ان کے سامنے کوئی اعلیٰ و ارفع نصب العین اور مقصد نہیں ہے' اس لئے کہ بحیثیت قوم ان کے سامنے جو سب سے اونچا نصب العین ان کے بزرگوں اور مفکروں نے پیش کیا وہ یہ تھا کہ ایک فلاحی ریاست (Welfare State) قائم ہونی چاہیے اور تمام لوگوں کا معیار زندگی بلند ہونا چاہیے۔ اب کم از کم امریکہ کے اندر تو وہ معیار زندگی اس مقام کو پہنچ چکا کہ اس سے زائد کی توقع عبث ہے۔ وہاں حالت یہ ہے کہ اگر ایک گھر میں افراد چھ ہیں تو کاریں سات ہیں۔ ان حالات میں نئی نسل کے ایک امریکی نوجوان کے سامنے اب کیا مقصد اور کون سا نصب العین رہا؟ اب وہ کس کام کے لئے محنت کرے اور کس آئیڈیل کو اپنی مساعی کا ہدف بنائے؟ لہٰذا وہاں خلا کا ایک احساس ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے۔ آج ہمیں سڑکوں پر جو ہپی (Hippy) گھومتے نظر آ رہے ہیں اور مغرب میں جو سماج دشمن رجحانات (Anti Social Trend) بڑھتے جا رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوجوان نسل اُس دَور کی طرف لوٹ جانا چاہتی ہے جس میں انسان تہذیب و تمدن سے بالکل عاری تھا اور وہ پہاڑوں کی غاروں کے اندر رہا کرتا تھا۔ یہ وحشیوں کے طریقے پر بڑھے ہوئے بال اور ناخن' یہ میلا اور گندا رہنے کا مذموم جذبہ' یہ دراصل ردِ عمل ہے ایک اعلیٰ و ارفع نصب العین کے فقدان کا۔ یہ نہ سمجھیے کہ چند سر پھرے نوجوانوں نے ہپی ازم کو اختیار کر لیا ہے اور وہ جہاں گردی کے لئے نکل کھڑے

ہوئے ہیں' بلکہ جن لوگوں کو امریکہ اور یورپ کی سیاحت کا اتفاق ہوا ہو وہ جانتے ہیں کہ چند بڑے بڑے افسروں (Executives) 'صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کو چھوڑ کر وہاں کے بازاروں میں نوجوانوں کے غول کے غول اسی ہپی فیشن میں نظر آتے ہیں اور یہی نقشہ ان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں نظر آتا ہے۔

اس کے برعکس چین کے نوجوانوں میں یہ نقشہ بالکل نظر نہیں آئے گا۔ وہاں پر یہ مسئلہ اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ ان کے سامنے بہرحال ایک اجتماعی نصب العین موجود ہے۔ ان کے ذہنوں میں ایک بات رچائی اور بسائی گئی ہے اور کم از کم ہر چینی نوجوان اس جذبے سے سرشار ہے کہ اسے اپنے گردو پیش اشتراکی انقلاب (Communist Revolution) برپا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایثار' قربانی' جدوجہد' محنت و کوشش اور مقصد کی لگن ان کے ہاں قومی سطح پر موجود ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی قوم کے پیشِ نظر ایک اجتماعی نصب العین ہونے یا نہ ہونے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔

یہ بات تحریکِ پاکستان کے حوالے سے اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ مسلم لیگ کی تحریک کو تقویت اسی وقت حاصل ہوئی جب اس نے پاکستان کے مطالبہ کو ایک "نصب العین" کی حیثیت سے اختیار کیا۔ لیکن پاکستان کے قیام کے بعد چونکہ قوم کو کوئی واضح نصب العین نہیں دیا گیا لہٰذا یہاں قومی سطح پر نصب العین کا ایک خلا واقع ہو گیا۔ چنانچہ یہاں ہر فرد کی مساعی کا ہدف' اس کی جہد و کوشش کی غرض و غایت' اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز و محور اور اس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ رہا کہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ آسائش و آرام اور حصولِ معاش کے ذرائع تلاش کرے' زیادہ سے زیادہ الاٹمنٹ کرائے اور اپنے معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے میں لگ جائے۔ لہٰذا یہی چیزیں ہر فرد کا ذاتی نصب العین بن کر رہ گئیں اور اجتماعی نصب العین اس نفانفسی میں گم ہو کر رہ گیا۔

چنانچہ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے سامنے کوئی آفاقی اور اجتماعی نصب العین ہو۔ یہ ضرورت صرف مذہبی اور دینی لحاظ سے اور صرف آخرت کی جواب دہی کے اعتبار سے ہی نہیں ہے' بلکہ قومی زندگی کے اعتبار سے' ہمارے ملّی تشخّص کے اعتبار سے' اور نوجوان نسل کے سامنے زندگی کا ایک ارفع و اعلیٰ نصب العین لانے کے اعتبار

سے ہمارے لئے لازم اور ناگزیر ہے کہ اس ملک کے رہنے والے مسلمانوں میں یہ شعور اجاگر کیا جائے کہ بحیثیتِ امتِ مسلمہ ہمارا نصب العین کیا ہے اور ہماری انفرادی و اجتماعی مساعی اور جدوجہد کو کس مرکز و محور کے گرد مرتکز ہونا چاہئے۔ اس اعتبار سے یہ آیۂ مبارکہ ہمارے لئے بہت اہم ہے کہ یہ امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس اور اس کا اجتماعی نصب العین بیان کر رہی ہے۔

"شہادت" کا مفہوم اور دین میں اس کا مقام

اس آیت میں "شَهِيْد" کا جو لفظ آیا ہے اس کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ اس کا لفظی ترجمہ "گواہ" ہے۔ فرمایا گیا: "تاکہ تم ہو جاؤ گواہ نوعِ انسانی پر اور رسولؐ ہو جائیں گواہ تم پر"۔ اولین گواہی انسان کے اپنے قول اور زبان سے ہوتی ہے۔ ایک شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** ـــــــ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" ـــــــ تو یہ قولی گواہی ہے جس سے وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر عملی گواہی کا درجہ آتا ہے۔ اور دنیا میں اصلاً وہی گواہی معتبر قرار پاتی ہے جس کی تائید انسان کے عمل سے ہو رہی ہو۔ اگر آپ قولاً ایک بات کا اعلان مگر عملاً اس کی تکذیب کر رہے ہوں تو دنیا اس بات کو معتبر نہیں مانے گی۔ معتبر بات وہی ہو گی جو عمل سے ثابت ہو جائے۔ لہٰذا قولی شہادت کے ساتھ اس کی عملی گواہی بھی زندگی کے پورے رویّے سے لازمی طور پر ملنی چاہئے۔ کلمۂ شہادت ادا کرنے سے ہم نے اللہ کے معبود ہونے، مطاعِ مطلق ہونے، حاکم و مالک ہونے اور خالق و ربّ ہونے کا اقرار کیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانا ہے، انہیں اس کا فرستادہ اور نمائندہ تسلیم کیا ہے۔ اس تصدیق و تسلیم اور عہد و میثاق کی بدولت ہمیں "**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**" سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ لہٰذا ہم پر لازم ہو گیا کہ ہماری عملی زندگی بھی اس کی شہادت دے اور ہم میں سے ہر فرد عملی طور پر اللہ کا بندہ، غلام اور مطیع فرمان بن جائے۔ اس کی زندگی کا ہر عمل اور فعل اس بات کی گواہی دے رہا ہو کہ یہ شخص خود مختار نہیں ہے، یہ من مانی کرنے کے لئے آزاد نہیں

ہے، یہ زمانہ کے چلن کے ساتھ چلنے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک پابند شخصیت ہے جو چند بندھنوں میں بندھی ہوئی ہے۔ اس کے سامنے ایک معیّن منزلِ مقصود اور نصب العین ہے اور اس کا ہر قدم اپنی منزل ہی کی سمت میں اٹھتا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک رُخ متعین ہو چکا ہے اور زندگی کے ہر دوراہے کے لئے اسے ہدایت دے دی گئی ہے کہ اسے کس راہ پر چلنا ہے اور کس پر نہیں چلنا ہے۔ غرضیکہ اس کے ہر کام اور ہر حرکت کے لئے طے کر دیا گیا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ انسان کی عملی زندگی کی اس گواہی سے در حقیقت اس قولی گواہی "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ" کا انفرادی سطح پر حق ادا ہو گا۔

اب اس سے آگے بڑھیے۔ ہماری حیثیت چونکہ محض ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک امت کی ہے، لہٰذا ہمیں یہ عملی گواہی صرف انفرادی سطح پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی دینی ہو گی۔ اس اعتبار سے جب تک ہماری پوری کی پوری اجتماعی زندگی یعنی ہمارا ملکی نظام، ہمارا آئین و دستور، ہمارے تمام قوانین، ہماری معیشت، معاشرت، تہذیب و تمدن اور ادب و ثقافت غرضیکہ ہماری اجتماعی زندگی کا ہر شعبہ اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت کے سانچے میں ڈھل نہیں جائے گا اس وقت تک عملی گواہی کا حق ادا نہیں ہو گا۔ اس عملی گواہی کی تکمیل اس وقت ہو گی جب اللہ کی اطاعت پر مبنی نظامِ حیات نوعِ انسانی کو اپنی کامل صورت میں قائم و نافذ نظر آئے، ورنہ امت کتمانِ حق کی مجرم شمار کی جائے گی ——— اور جو شخص حق کی یہ گواہی دینے کے لئے نقدِ جان نچھاور کر دے اسے مالکِ ارض و سماء کی بارگاہ سے "شہید" کا خطاب ملتا ہے اور اس کی گواہی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی جاتی ہے کہ یہ ہے وہ سچا گواہ جس نے جان کی بازی لگا کر اس بات کی گواہی دے دی کہ اس کائنات کا ایک ہی مالک اور ایک ہی معبود ہے۔ اس نے جان پر کھیل کر دراصل یہ اعلان کیا ہے کہ: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ کہ اللہ کے سوا اور کسی کو حکم کا اختیار نہیں اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو! یہی دینِ قیم ہے، یہی قائم و مستحکم دین ہے!!

لفظ "شہادت" کی مندرجہ بالا بحث سے ہمارے دین میں اس کی اہمیت اور اس کا مقام واضح ہوتا ہے۔ شہادت ہی سے ہمارے اسلام کا آغاز ہوا۔ ہم کلمۂ شہادت کا اقرار

کر کے امتِ مسلمہ میں شامل ہوئے اور مسلمان قرار پائے۔ اور اب جو ہماری بلند ترین منزل ہو سکتی ہے وہ "مقامِ شہادت" ہے' جو اللہ کی راہ میں نقدِ جان کا نذرانہ دے کر حاصل ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی!

فریضۂ شہادت علی النّاس کی اہمیت

بحیثیتِ امتِ مسلمہ ہماری ساری اجتماعی مساعی کا ہدف' ہماری ساری اجتماعی زندگی کا مرکز و محور اور ہماری زندگی کا نصب العین "شہادتِ حق" یعنی اللہ کی گواہی دینا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ (آیت ۸) میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ

کہ اے ایمان والو! کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے' اللہ کا جھنڈا اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ اور پوری دنیا کے سامنے عدل و انصاف کی گواہی دو! یہی بات سورۃ النساء (آیت ۱۳۵) میں بایں الفاظ فرمائی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

کہ اے ایمان والو! عدل کے قیام کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کی گواہی دینے والے بنو!

پھر یہ گواہی صرف دنیا تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ آخرت میں بھی امتِ مسلمہ کو پوری نوعِ انسانی پر اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر یہ گواہی دینا ہو گی۔ سورۃ النساء (آیت ۴۱) میں فرمایا گیا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ط

"پس (غور کرو کہ) اُس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے محمدؐ) ان لوگوں پر ہم آپؐ کو بحیثیت گواہ کھڑا کریں گے"۔

یعنی ہر امت اور ہر قوم کے نبی اور وہ لوگ کہ جنہوں نے دنیا میں حق کی گواہی دی ہو گی وہ محاسبۂ اخروی کے وقت کھڑے کئے جائیں گے تو وہ گواہِ استغاثہ Prosecution

Witness) کی حیثیت کے حامل ہوں گے۔ وہاں اللہ کی عدالت میں وہ گواہی دیں گے اور اس بات کو Testify کریں گے کہ اے پروردگار، تیری جو ہدایت ہم تک پہنچی تھی وہ ہم نے کسی کمی بیشی کے بغیر، کسی چیز کو چھپائے بغیر، کسی مصلحت کا لحاظ کئے بغیر، اپنے کسی مفاد اور اپنے جسم و جان کے تحفظ کا خیال رکھے بغیر ان تک پہنچا دی اور اس طرح اپنے قول و عمل سے حق کی گواہی بلا کم وکاست دے دی اور اس گواہی کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ پھر یہی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر دیں گے۔ اس کے بعد پھر افراد کا عمومی محاسبہ ہو گا۔ لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ جو حق تم تک پہنچا دیا گیا تھا، حق کی جو تبلیغ تم تک کر دی گئی تھی اس کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ رہا؟

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و رُسل کے لئے "شاہد" اور "شہید" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المزّمّل میں فرمایا گیا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ○ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ○

"(اے لوگو! ہوشیار ہو جاؤ، آگاہ ہو جاؤ) بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیج دیا ہے، جیسے کہ ہم نے فرعون کی طرف (حضرت موسیٰؑ کو) رسول (اور گواہ بنا کر) بھیجا تھا۔ پس فرعون نے (ہمارے) رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے (اسی دنیا میں) اس پر گرفت کی وبال کی گرفت۔ پھر تم کیونکر بچ جاؤ گے اگر تم نے (ہمارے رسول کا) انکار کیا؟ (اور تم کیسے بچو گے) اُس دن سے جو (خوف کے مارے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا، اُس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ بے شک اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے"۔

سورۃ الاحزاب میں جہاں نبی کریمؐ کی صفات اور ان کا مشن بیان فرمایا گیا تو آپؐ کی اسی صفتِ شہادت کو دوسری صفات و اوصاف سے مقدم کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ

سِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

"اے نبیؐ، بے شک ہم نے آپ کو بھیجا شاہد، مبشر اور نذیر (بنا کر) اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ (بنا کر)"

تو یہ ہے ہمارے دین میں شہادت کا تصور، اور ہر نبی اسی شہادتِ حق کے لئے بھیجا جاتا تھا اور ہر رسول کی غایتِ بعثت یہی ہوتی تھی۔

(جاری ہے)

KT **KHALID TRADERS**
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

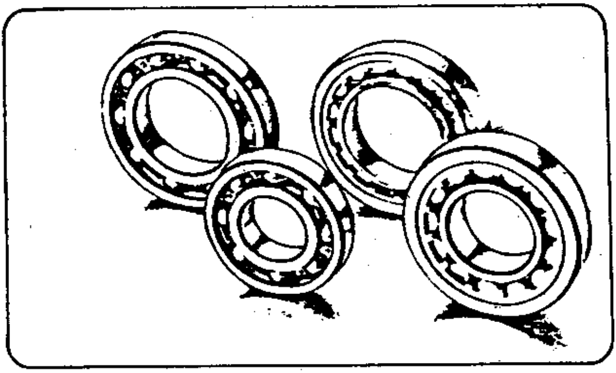

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

بیعِ مرابحہ اور بیعِ مؤجّل

ادھار چیز نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

عہد حاضر کے ایک اہم اقتصادی معاملے کے بارے میں

مولانا محمد طاسین کا محققانہ مقالہ

زیرِ نظر مضمون میں میرا اصل مقصد' جس خاص مسئلہ کی شرعی حیثیت سے بحث و تحقیق کرنا ہے وہ مسئلہ ہے اُدھار پر کوئی چیز اس قیمت سے زائد قیمت پر فروخت کرنا جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورتِ نقد رائج ہو' مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورتِ نقد ایک سو روپے ہے اس کو مثلاً ایک سال کے ادھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور خریدنا۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے یعنی اس میں جس معاشی معاملے کا ذکر ہے قرآن و حدیث کی رُو سے یہ جائز معاملہ ہے یا ناجائز معاملہ؟ اس بحث و تحقیق میں اسی کا تعیّن کرنا اصل مقصود ہے اور یہ اس لئے کہ متعدد اشخاص نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور یہ ایک زندہ مسئلہ ہونے کے ساتھ اپنے اثرات و معروضی نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے۔

بعض تمہیدی وضاحتیں

بحث کے شروع میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت میں کسی مسئلہ و معاملہ کے متعلق شرعی حکم صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی یا اجمالی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو کیونکہ شریعتِ اسلامی کا حقیقی مأخذ و سرچشمہ صرف قرآن و حدیث ہیں لہٰذا اصلاً اس بحث کا دائرہ انہی تک محدود رہے گا' تعاملِ صحابہ کرامؓ دراصل کتاب و سنّت پر مبنی ہے لہٰذا کسی مسئلہ اور معاملہ کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لئے اس کو دیکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی ضروری ہے' محدثینِ کرام کے ہاں حدیث کا جو وسیع مفہوم ہے اس میں آثارِ صحابہؓ بھی شامل ہیں' مطلب یہ کہ کسی مسئلہ اور معاملہ کے شرعی جواز و

عدم جواز کے متعلق صرف اتنا کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اس نص اور دلیل کا ذکر بھی ضروری ہے جس کی بنا پر اس فقیہہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے اور یہ اس لئے بھی کہ وفاقی شرعی عدالت کے جج حضرات کسی فقیہہ کے قول کو صرف اس وقت مانتے ہیں جب اس کے ساتھ قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو کیونکہ دستورِ مملکتِ پاکستان کے اندر صرف قرآن و حدیث کو اسلامی احکام کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے قرآن و حدیث کی رو سے قطعی طور پر جائز ہے' اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض دفعہ ادائیگی کے وقت آپؐ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی' قرآن و حدیث میں قرضِ حسنہ کے متعلق جو تعلیم ہے اس سے بھی صریح طور پر اس ادھار کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر کوئی اضافہ نہ ہو' کسی ضرورت مند کو ادھار پر اس کی ضرورت کی چیز اسی قیمت پر دینا جو نقد کی صورت میں ہو قرضۂ حسنہ کی تعریف میں آتا ہے جو بڑے اجر و ثواب کا نیک عمل ہے۔ بعض احادیث میں اس کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے جو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب و مستحسن عمل ہے۔

بیع مرابحہ کی مختلف صورتیں اور ان کے بارے میں شرعی حکم

اسی طرح بیع مرابحہ[1] کی بھی وہ شکل قطعی طور پر جائز ہے جس میں فروخت کی جانے والی شے کی اصل قیمت بھی صحیح بتلائی گئی اور اس پر نفع کی مقدار بھی صرف اتنی لگائی گئی ہو جو تاجروں کے عرف اور بازار کے عام رواج کے مطابق ہو یا اس سے بھی کم ہو' مثلاً اگر بازار میں عام طور پر نفع کی مقدار دس فیصد رائج ہو اور مرابحہ میں فروخت کرنے والا

---

[1] بیع مرابحہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو کوئی چیز فروخت کرے اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ میں نے فلاں قیمت میں خریدی تھی اور اب اتنے منافع کے ساتھ اتنی رقم میں تمہیں فروخت کر رہا ہوں۔

فروخت کی جانے والی شے کی اصل قیمت پر زیادہ سے زیادہ دس فیصد نفع لگائے مثلاً جو شے اس کو سو روپے میں پڑی تھی اس پر نفع دس روپے یا اس سے کم لگا کر بیع مرابحہ کے طور پر فروخت کرے تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں' بالفاظ دیگر بازار میں عام نرخ کے مطابق ایک چیز کی قیمت ایک سو دس روپے تھی اور مرابحت کی شکل میں بھی وہ ایک سو دس روپے میں ہی فروخت کی گئی یا مثلاً رعایت کے ساتھ ایک سو پانچ میں فروخت کی گئی تو بیعِ مرابحہ کی یہ صورت بالکل جائز ہوتی ہے اور شرعی طور پر یہ معاملہ قطعاً درست ہوتا ہے' کیونکہ اس میں فریقینِ معاملہ کی حقیقی رضا مندی موجود ہوتی ہے اور یہ اس وجہ سے موجود ہوتی ہے کہ اس میں ہر فریق کے لئے اس کی چیز کا اس کی مرضی کے مطابق معاوضہ پایا جاتا ہے جو قلبی رضا مندی کا خارجی اور معروضی معیار ہے' بخلاف مرابحت کی ایسی شکل کے کہ جس میں فروخت کرنے والا خریدار کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز بازار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نفع پر فروخت کرتا ہے، مثلاً یہ دیکھتے ہوئے کہ خریدار نقد ادائیگی نہیں کر سکتا کچھ عرصہ کے ادھار پر لینا چاہتا ہے لہذا ادھار کی وجہ سے نفع دس فیصد کی بجائے بیس یا تیس فیصد لگا دیتا ہے' اس صورت میں خریدار کی اگرچہ ظاہری طور پر رضامندی موجود ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتی کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو چیز وہ ادھار کی وجہ سے مثلاً ڈیڑھ سو روپے میں خرید رہا ہے وہ بازار میں بصورت نقد سو روپے میں ملتی ہے اور یہ کہ فروخت کرنے والا دوسرا فریق اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس روپے کا اضافہ کر رہا ہے چنانچہ وہ ضرورت کے تحت لے تو لیتا ہے لیکن دل سے خوش نہیں ہوتا' اس لئے کہ اس کے لئے پچاس روپے کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا مرابحہ کی یہ شکل بلحاظِ حقیقت درست نہیں ہوتی بلکہ باطل معاملہ کی تعریف میں آتی ہے۔ اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

ادھار چیز نقد قیمت کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟

اب میں اپنے اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں' یعنی یہ کہ ادھار کی صورت میں کوئی چیز نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا شرعاً کیسا ہے' جائز ہے یا ناجائز؟ جہاں تک جواز کا تعلق ہے انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے قرآن حکیم' احادیثِ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے معاملۂ مذکور کا جواز نکلتا اور ثابت ہوتا ہو، البتہ عدمِ جواز کے متعلق قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہؓ میں واضح اور قطعی دلائل ملتے ہیں۔ تحریمِ ربٰو سے متعلق جو آیات، احادیث اور آثار ہیں ان سے معاملہ زیرِ بحث کا قطعی طور پر ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن حکیم نے عہد جاہلیت کی جس متعارف ربٰو کو قطعی طور پر حرام و ممنوع قرار دیا ہے اس کی چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی تھی کہ ایک شخص دوسرے پر کوئی چیز ادھار بیچتا تو مدتِ قرض کے لحاظ سے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا، مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں ایک سو درہم ہوتی ایک سال کے ادھار پر ڈیڑھ سو درہم میں بیچتا، پھر جب ایک سال کے بعد بھی مقروض ڈیڑھ سو درہم ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ اس سے کہتا میں مدتِ قرض میں مزید اتنا اضافہ کردیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو، چنانچہ رقمِ قرض کی مقدار مزید ایک سال کے لئے دو سو درہم کردی جاتی، پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہ کرسکتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کردیا جاتا۔ بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گناہ ہوجاتی یعنی **اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً** بن جاتی، یہی حال نقد کے قرض میں بھی ہوتا۔ ایک آدمی دوسرے کو مثلاً سو درہم ایک سال کے لئے قرض دیتا تو اس مدت کے لحاظ سے اس میں اضافہ کردیا جاتا جو درمیان میں ہر ماہ یا سال کے بعد یکمشت اصل کے ساتھ واجب الاداء ہوتا جیسا کہ موجودہ بینکاری نظام میں ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن حکیم نے ربوا النسیئہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجِ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریمِ ربٰو کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

(ا) **عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال کان الربٰو الذی اذن اللہ فیہ بالحرب لمن لم یترکہ عند الجاھلیۃ یکون للرّجل علی رجل حق الی اجل، فاذا حلّ الاجلُ قال صاحبُ الحق أتقضی أمْ تربی فان قضاہ أخذ منہ و الا طوٰہ** (جامع الاصول، ص ۵۷۳، ج ۱)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: وہ ربٰو جس کو ترک نہ

کرنے والوں کے لئے اللہ تعالٰی نے اعلانِ جنگ فرمایا عہدِ جاہلیت میں اس کی شکل اس طرح تھی کہ آدمی کا دوسرے پر ایک خاص مدت تک کے لئے حق یعنی دَین و قرض ہوتا' پس جب مقررہ وقت آتا تو صاحبِ حق یعنی قرض خواہ اپنے مقروض سے کہتا: ادا کرتے ہو یا مزید مہلت کے عوض مال قرض میں اضافہ کرتے ہو؟ اگر وہ ادا کرتا تو لے کر معاملہ ختم کردیتا ورنہ اس کو تہہ بر تہہ بڑھاتا چلا جاتا۔

(۲) **عن مجاہد انہ قال فی الربو الذی نہی اللّٰہ عنہ کان فی الجاھلیۃ یکون للرّجل علی الرّجل دین' فیقول لک کذا و کذا و تؤخر عنی فیؤخر عنہ** (تفسیر الطبری' ص ۶۷' ج ۳)

حضرت مجاہد نے فرمایا: وہ ربوٰ جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا عہدِ جاہلیت میں اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ آدمی کا دوسرے آدمی پر واجب الاداء دین و قرض ہوتا جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو مقروض آدمی اپنے قرض خواہ سے کہتا مہلت بڑھا دو اور مطالبہ موخر کردو' اس کے بدلے آپ کے لئے اتنا اتنا مزید ہوگا' چنانچہ وہ مطالبہ مؤخر کر کے مہلت بڑھا دیتا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

(۳) **عن سعید بن جبیر قال ان الرجل کان یکون لہ علی الرجل فاذا حل الا جل طلبہ من صاحبہ فیقول المطلوب أخر عنی و ازیدک فی مالک فیفعلان ذلک** (تفسیر الدرر المنثور' ص ۱۷' ج ۲)

حضرت سعید بن جبیر نے ربوٰ جاہلی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر بطور قرض مال ہوتا' پھر جب قرض کی مقررہ مدت پوری ہوتی تو قرض والا اپنے مقروض سے اپنا مال طلب کرتا' پھر اگر مقروض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو مقرض سے کہتا مجھے مزید مہلت دیجئے میں اس کے عوض آپ کے مال میں آپ کے لئے اضافہ کردیتا ہوں' چنانچہ وہ آپس میں ایسا کرلیتے اور یہ سلسلہ جاری رہتا۔

(۴) **عن قتادہ قال انّ رِبٰو الجاھلیۃ بیع الرجل المبیع الی اجل مسمی فاذا حل الاجل و لم یکن عند صاحبہ قضاہ زادہ و اخر عنہ** (تفسیر الطبری' ص ۶۷' ج ۳)

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ربوٰ جاہلی کی ایک شکل یہ تھی کہ

ایک آدمی اپنی کوئی چیز ایک خاص وقت تک کے لئے قرض پر بیچتا' پھر جب وہ خاص وقت آتا اور اس کے مقروض کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ ہوتا تو مال بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔

(۵) **عن عطاء ابن ابی رباح قال کانت ثقیف تدائن فی بنی المغیرہ فی الجاهلیة فاذا حل الاجل قالوا نزیدکم و تؤخرون** (تفسیر الدر المنثور' ص۵۹' ج ۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: عہد جاہلیت میں بنو ثقیف' بنو المغیرہ کو قرض دیا کرتے تھے۔ جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو بنی المغیرہ بنو ثقیف سے کہتے کہ ہم تمہارے مال زیادہ کردیتے ہیں آپ ہمیں مزید مہلت دے دیجئے۔

ان مذکورہ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ربوٰ الجاہلی جس کا دوسرا نام ربوا النسیئہ ہے' قرض کا ایسا معاملہ تھا جس میں مہلت اور مدت قرض کے عوض مال قرض میں اضافہ کیا جاتا تھا خواہ وہ قرض نقد کی صورت میں ہو یا کسی فروخت کردہ چیز کی قیمت کی صورت میں' اور یہ کہ اس کو قرآن حکیم نے حرام و ممنوع ٹھہرا کر اس خیال کی نفی اور تردید کردی کہ قرض دینے والا مہلت قرض کے عوض مقروض سے قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد مال لے سکتا ہے۔

ربوا الجاہلی کی شرعی حیثیت — مفسرین کرام کی نگاہ میں

مناسب اور مفید سمجھتا ہوں یہاں اکابر مفسرینِ کرام کی کچھ عبارات پیش کردوں جو انہوں نے ربائے جاہلی کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہیں تاکہ حقیقتِ حال اچھی طرح واضح ہوجائے۔

امام ابوبکرالجصاص نے اپنی جلیل القدر فقہی تفسیر "احکام القرآن" میں ربو کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

والربوٰ الذی کانت العرب تعرفه و تفعله انما کان قرض الدراهم و الدنانیر الی

اجل بزیادۃ علی مقدار ما استقرضہ علی مایتراضون بہ' ھذا کان المتعارف المشھور عندھم (ص ۵۵۲ - ج۱)

وہ ربو جس کو اہلِ عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم و دنانیر کے قرض کا معاملہ تھا' جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی ضرور لینا دینا ہوگا۔ ربو کا یہی معاملہ عربوں کے ہاں متعارف اور مشہور تھا۔

اس سے کچھ آگے ایک اور عبارت اس طرح ہے:

ولم یکن تعاملھم بالربو الا علی الوجہ الذی ذکرنا من قرض دراھم و دنانیر الی اجل مع شرط الزیادۃ (بحوالۂ مذکور)

عربوں کے اندر جس ربٰو پر عمل درآمد تھا اس کی وہی شکل تھی جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا' یعنی ایک خاص مدت تک دراہم و دنانیر کا قرض جس کے ساتھ زیادتی کی شرط تھی۔

پھر دو صفحات کے بعد ایک تیسری عبارت احکام القرآن میں بایں طور ہے:

انہ معلوم ان الربو الجاھلیۃ انما کان قرضا مؤجلا بزیادۃ مشروطۃ فکانت الزیادۃ بدلًا من الاجل' فابطلہ اللّٰہ و حرّمہ و قال وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (ص ۵۵۴ - ج۱)

یہ ایک معلوم اور جانی ہوئی بات ہے کہ عہدِ جاہلیت کی ربٰو سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ زیادتی کی شرط کے ساتھ معیادی قرض کا معاملہ تھا اور اس میں قرض کے اصل مال پر جو زیادتی ہوتی تھی وہ مدت اور مہلتِ قرض کا بدل سمجھی جاتی تھی' پس اس کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا اور فرمایا: اگر تم اس سے توبہ کر کے باز آجاؤ تو پھر تمہارے لئے صرف تمہارے اصل اموال ہیں جو تم نے بطور قرض دیئے تھے' نہ تم ان پر کچھ زائد لے کر اپنے مقروضوں پر ظلم کرو اور نہ وہ (تمہارے اصل اموال روک کر) تم پر ظلم کریں۔

واضح رہے کہ یہاں ظلم کے معنی حق تلفی کے ہیں۔ اس تیسری عبارت میں جو بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ قرض کے اصل مال پر جو زیادتی مشروط ہوتی تھی وہ اجل یعنی

مدتِ قرض کا عوض اور بدل سمجھی جاتی تھی۔

دوسرے مفسر امام فخر الدین الرّازی نے اپنی عظیم المرتبت تفسیر "مفاتیح الغیب" میں جو "تفسیر الکبیر" کے نام سے معروف ہے ربوٰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

اما الربو النسیئة فهو الامر الذی کان مشهورًا متعارفًا فی الجاهلیة و ذلک انهم کانوا یدفعون المال علیٰ ان یأخذوا کُلّ شهرٍ قدرًا معیّنًا ویکون رأس المال باقیاً ثم اذاحل الدین طالبوا المدیون برأس المال ' فان تعذر علیه الاداء زادوا فی الحق والاجل ' فهذا هو الربو الذی کانوا فی الجاهلیة یتعاملون (ص ۹۱ - ج ۷)

البتہ ربوا النسیۂ جو عہدِ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی عملاً اس کی شکل اس طرح تھی کہ بعض لوگ اپنا مال دوسروں کو بطورِ قرض اس شرط پر دیتے کہ وہ ہر ماہ اپنے مقروض سے خاص مقدار میں کچھ مال بطور سُود لیتے رہیں گے اور قرض کا اصل مال اپنی حالت پر باقی رہے گا، پھر جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو وہ مقروض سے اصل مال کا مطالبہ کرتے، پھر اگر ادائیگی اس کے لئے مشکل ہوتی تو اپنے حق اور قرض کی مہلت میں اضافہ کردیتے، پس یہی وہ ربوٰ تھی جس کا لوگ عہدِ جاہلیت میں لین دین اور کاروبار کرتے تھے۔

"تفسیر الکبیر" ہی میں ربوٰ سے متعلق ایک اور عبارت اس طرح ہے:

کان الرجل فی الجاهلیة اذا کان له علی انسان مائة درهم الی الاجل ' فاذا جاء الاجل ولم یکن المدیون واجدًا لذلک المال قال زِدنی فی المال حتی ازید فی الاجل ' فربما جعله مائتین (ص ۲- ج ۹)

زمانۂ جاہلیت میں ایک آدمی کے کسی انسان پر ایک خاص وقت کے لئے ایک سو درہم قرض ہوتے، پھر جب وہ وقت آتا اور مقروض کے پاس ادائیگی کے لئے مال نہ ہوتا تو وہ کہتا تم میرے حق میں اضافہ کردو تاکہ میں اجل کو زیادہ کردوں، پس بسا اوقات وہ سو درہم کے دو سو درہم کردیتا۔

مذکورہ عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ عہد جاہلیت کی ربو جس کو قرآن مجید نے قطعی حرام بتلایا ہے اس کے اندر جو مرکزی تصور کار فرما تھا وہ یہ کہ مُقرِض یعنی قرض

دینے والا، مدتِ قرض کے بدلے قرض کے اصل مال پر کچھ زائد مال کا حقدار قرار پاتا ہے، قرآن حکیم نے اس ربو کو حرام قرار دے کر اور یہ فرما کر کہ مقرض اپنے اصل مال پر جو بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے، تصور مذکور کی نفی کردی ہے گویا یہ فرمایا کہ اجل اور مدت قرض کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مال کا بدل بن سکتی ہو اور جس کا کوئی معاوضہ لیا دیا جاسکتا ہو۔

"اصل میں دونوں ایک ہیں"

یہاں تک ربوالجاہلی اور ربوا لنسیئہ کی حقیقت و ماہیت اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ لکھا اور عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں جب ہم اپنے زیر بحث معاملے کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے منشا و مقصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربوا لنسیئہ جیسا معاملہ ہے وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح ربوا لنسیئہ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد لیا جانے والا مال بلا عوض ہوتا ہے اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے اسی طرح زیر بحث معاملے میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لئے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا، لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربوا لنسیئہ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیر بحث بیع الموجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیدا آور محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے، پھر جس طرح ربوا لنسیئہ کے رواج سے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیاء اور سرمایہ

داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے، غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربوا النسیئہ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربوا النسیئہ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے وہ سب زیر بحث بیع مؤجل کے معاملہ سے بھی لازمًا ظہور میں آتی ہیں، لہٰذا اصولِ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہیے جو معاملہ ربوا النسیئہ کا ہے یعنی حرام۔ کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود و معاملات میں شرعًا کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا **الاعتبار فی العقود للمقاصد و المعانی لا للالفاظ و المبانی** مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ۲۹ سے استدلال

قرآن مجید کی جس دوسری آیت سے معاملہ زیر بحث کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی اور اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے:

يَاَ يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنكُمْ (الآیہ ۲۹)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو"

اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھا لینے کی ممانعت ہے اور "اِلَّا" حرفِ استثناء کے بعد دوسرے حصہ میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضا مندی پائی جاتی ہو۔ پہلے حصہ میں جو لفظ "باطل" ہے "حق" کی ضد ہے۔ اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ناحق کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے باطل کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول پیش کیا ہے:

"**الباطل هو كل ما يؤخذ من الانسان بغير عوض**" (تفسیر الکبیر، ص ۷۰، ج ۱۰)

ہر وہ مال لینا باطل ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض کے لیا جائے۔
تفسیر المنار میں علامہ رشید رضا نے باطل کی تفسیر میں لکھا ہے:

لما الباطل مالم يكن في مقابلة شيئ حقيقي

باطل وہ ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابلہ میں نہ ہو یعنی اس کے بالمقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہو۔

لہٰذا آیت مذکورہ کے پہلے حصہ کا مطلب ہوا: مسلمانو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو' یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو۔ بنا بریں آیت کے پہلے حصہ کی رُو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لئے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔

آیت کے دوسرے حصہ میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کے لئے اس کی چیز کا بدل موجود ہوتا ہے لہٰذا فریقین کی حقیقی رضا مندی پائی جاتی ہے۔ چونکہ تجارت یعنی بیع و شراء کا معاملہ ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے یعنی مبیع کی شکل میں ملتا ہے' البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع' مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اس سے زائد قیمت پر بیچ دیتا ہے جو قیمت بازار میں عام طور پر اس چیز کی ہوتی ہے یا مشتری' بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس قیمت سے کم قیمت پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے' لہٰذا بیع و شراء کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضا مندی موجود نہیں ہوتی' اس وجہ سے کہ اس کے لئے اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض و بدل موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیع و شراء کا ایسا معاملہ ایک فریق کی حقیقی رضا مندی موجود نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری اور زبانی رضا مندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربٰو میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربٰو کا معاملہ حرام و ممنوع رہتا ہے' بلکہ

حقیقت میں رضا مندی کا خارجی اور معروضی معیار ہر فریق کے لئے اس کی چیز کا صحیح عوض و بدل موجود ہونا ہے۔ وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضا مندی کا موجود نہ ہونا ہے۔ آیت مذکور کی تفسیر میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لئے موجود نہیں ہوتا' لہٰذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کر کے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز یہ بیع و شراء کا ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لئے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضا مندی موجود نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لئے مذکور بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے' لہٰذا اس کی حقیقی رضا مندی بھی موجود نہیں ہوتی لہٰذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔

احادیثِ نبویہ سے استنباط

زیر بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیث نبویہؐ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور ان بکثرت احادیث سے بھی جن میں ربٰو کی سختی کے ساتھ مذمت اور ممانعت ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے میں ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہا' بیع عینہ کی ممانعت سے متعلق جو احادیث ہیں ان سے بھی اس معاملے کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے ' البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربوا لنسیئہ کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں وہ ان الفاظ سے ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل قرض جرّ منفعۃ فھو الربو۔ بلوغ المرام

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربٰو ہے۔

مطلب یہ کہ جو قرض قرض دینے والے کے لئے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو وہ ربٰو ہے۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ متعدد آثارِ صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہمیشہ قابلِ اعتماد سمجھا گیا اور فقہاءِ کرام اس سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے **سنن الکبریٰ للبیہقی** اور **اعلاء السنن** وغیرہ میں مذکور ہیں' ان آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقروض سے کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ میں بغرض اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا' جو دیکھنا چاہے مذکورہ کتب میں دیکھ سکتا ہے۔ مولٰنا ظفر احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ربٰو کے موضوع پر اپنے رسالہ "کشف الدجی" میں ان کو یکجا جمع کردیا ہے جو "امداد الفتاوی" میں شامل ہے۔ بہر حال اس حدیث کی رُو سے بھی معاملہ زیرِ بحث ناجائز قرار پاتا ہے' کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ڈیڑھ سو روپے میں فروخت کرتا ہے وہ پچاس روپے جو زائد لیتا ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور منفعت اندوز ہوتا ہے' اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں اس کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے۔ پھر جب یہ معاملہ حدیث مذکور کے مطابق ربو کی تعریف میں آتا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربٰو و سُود کا ہے' یعنی حرام و ناجائز ہونا۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بناء پر پورے وثوق و یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیرِ بحث معاملہ قرآن و حدیث کی رو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے۔

ہمارے علماء کرام کا موقف اور اس کی اساس

اس کے بعد یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتویٰ لکھا ہے کہ معاملہ مذکور شرعًا جائز معاملہ ہے یعنی شرعًا اس میں کچھ حرج نہیں کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے' چنانچہ

اس فتوے کے پیش نظر بلا سُود بینکاری کے لئے سُود کے متبادل جو معاملات تجویز کئے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے۔ گویا بینک کو اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اس سے کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لئے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سُود پر نقد دینے کی بجائے اس سے کہے کہ میں تمہاری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے ادھار پر دے دیتا ہوں اور ادھار کی وجہ سے مرابحہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگائے جو بازار کی مروجہ قیمت سے کہیں زائد ہو' مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپے میں پڑی ہے پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا۔ مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربٰو کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ویسے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مرابحہ بھی شرعًا جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو' اسی طرح بیع مؤجل بھی شرعًا جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت ادھار میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں تھی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علماءِ کرام معاملۂ زیر بحث کو شرعًا جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بنا پر وہ ادھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں' لیکن اس بارے میں نہ میں ان حضرات میں سے کسی کا اسم گرامی ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے' بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش فرمائے ہیں اور فیصلہ ایسے اہلِ علم حضرات پر چھوڑ دونگا جو استدلال اور استنباط کے مختلف طریقوں کا غیر معمولی علم و فہم رکھتے' صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔ قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہلِ علم حضرات معاملۂ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث' نہ آثارِ صحابہؓ و تابعین میں سے کوئی اثر' نہ ائمۂ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور

دلیل فقہ حنفی کی دو کتابوں "مبسوط" اور "ھدایہ" کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز ہے۔ میں اس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اس سیاق و سباق کا بیان ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوئی ہے تاکہ حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہدایہ کی عبارت اور اس کا سیاق و سباق

جس سیاق و سباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ کہ فقہ حنفی کی مذکورہ بالا کتابوں میں جہاں بیع مرابحہ کی بحث ہے اس میں بیع المرابحہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط، اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ بیع مرابحہ کی تعریف جن عربی الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں ان کا مطلب اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: بیع مرابحہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمتِ خرید پر متعین نفع کے ساتھ بیچی خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور دیانتداری بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس کو "بیع الامانہ" بھی کہا جاتا ہے، اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتہً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملہ طے پاجانے کے بعد اگر جھوٹ و خیانت کا شبہ ظاہر ہوجائے تو خریدار کو اس کے ردّو قبول کا خیار ہوتا ہے چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کردے۔

بیع المرابحہ کی وہ شکلیں جن میں جھوٹ و خیانت کے شبہ کی بناء پر خریدار کو معاملہ طے ہوجانے کے بعد ردّو قبول کا خیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کا امام محمد الشیبانی نے اپنی کتاب "جامع الصغیر" میں ذکر کیا ہے اس طرح ہے:

"من اشتری غلاما بالف درھم نسیئۃ فباعہ بربح مائۃ درھم و لم یبین فعلم

المشتری فان شاء ردّہ و ان شاء قبل"

ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار روپے میں ادھار پر خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کیا اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا تھا' معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار کو اس کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو ردّو قبولؔ دونوں کا اختیار ہوتا ہے۔

جامع الصغیر میں امام محمدؒ نے عبارت مذکور کے بعد اس کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رد کا کیوں اختیار ہوتا ہے اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے' لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ جزیے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہ بھی لکھی ہے' شمس الائمہ السرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے:

"قال رَحِمَہ اللّٰہُ و اذا اشتری شیئانسیئۃ فلیس لہ ان یبیعہ مرابحۃ حتی یتبیّن انہ اشتراہ نسیئۃ لأنّ بیع المرابحۃ بیع الامانۃ تنفی عنہ کل تہمۃ و جنایۃ و یتحرز فیہ من کل کذب و فی معاریض الکلام شبہۃ فلا یجوز استعمالھا فی بیع المرابحۃ' ثم الانسان فی العادۃ یشتری الشیئ بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد" (المبسوط 'ص ۷۸' ج)

اس عبارت کا وہ حصہ جو اس وقت مقصود بحث ہے وہ ہے ثم الانسان فی العادۃ یشتری الشیئ بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد" پھر انسان عادۃً ادھار کی چیز اس قیمت سے زائد پر خرید لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی شے جب مرابحہ کے طور پر فروخت کی جائے تو امانتداری اور راست گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتلادے کہ یہ شے میں نے ادھار پر اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور یہ کہ یہ بتلا دینا اس لئے ضروری ہے کہ حاجتمند انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے تو عادۃً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ چیز بھی اس نے اپنی حاجتمندی اور ناداری کی وجہ سے زیادہ قیمت پر خرید لی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہو اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کررہا ہے ادھار کی

صورت میں نہیں کررہا لہٰذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کردے' چنانچہ آگاہ ہوجانے کے بعد بھی اگر وہ اس کو مطلوبہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنا کا اختیار نہیں رہتا' بخلاف اس صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملہ طے پاجانے کے بعد اس کو اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے کو فسخ کرسکتا ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اس کی عادت کا ذکر ہے ظاہر کہ وہ وہی ہوسکتا ہے جو کسی چیز کا حاجتمند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور اس کو وہ چیز نقد کی قیمت پر بطور قرضہ حسنہ کے بھی نہ مل سکتی ہو۔ ایسا انسان اپنی حاجت براری کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے' اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے' یہ مطلب نہیں کہ ایسا لازماً اور دائماً ہوتا ہے' کیونکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ قرضِ حسن کی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے اور ربٰو کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان جب کسی حاجتمند انسان کو اس کی ضرورت کی چیز ادھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی ہے' ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مادی فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے' لہٰذا ایسے لوگوں کا رویہ اور طرزِ عمل شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز و درست نہیں ہوتا۔ شمس الائمہ السرخسی کی مذکورہ عبارت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے' رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جواز و عدمِ جواز سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المرابحہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادتِ مذکور کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہوجاتی ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب الھدایہ علامہ المرغینانی کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیرِ بحث معاملے کے جواز کے لئے استدلال فرمایا گیا ہے' ذیل

میں ملاحظہ فرمائیے:

قال من اشتری غلاما بالف درھم نسیۃ فباعہ بربح مائۃ و لم یبین' فعلم المشتری فان شاء ردّہ و ان شاء قبل لان للاجل شبہا بالمبیع الا یریٰ انہ یزداد فی الثمن لاجل الاجل' والشبھۃ فی ھذا ملحقۃ بالحقیقۃ فصار کانہ اشتریٰ شیئین و باع احدھما مرابحۃ بثمنھما (ہدایہ آخرین' ص ۵۷' ۵۸)

امام محمدؒ نے کہا: جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام ادھار پر خریدا اور پھر مرابحہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے ادھار پر خریدا تھا' بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا' پس اب اگر وہ چاہے تو اس کو رد اور چاہے تو قبول کر سکتا ہے' کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت اور مدت بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے' اور چونکہ مرابحت کے باب میں شبہِ مبیع کو حقیقتِ مبیع سے ملحق کر دیا گیا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں دو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل' اس قیمت پر ان میں سے ایک چیز کو یعنی غلام کو بیچ دیا۔

اس عبارت میں مقصودِ بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحبِ ہدایہ نے امام محمدؒ کے قولِ مذکور کی توجیہہ پیش فرمائی ہے یعنی مرابحہ کی مذکورہ شکل میں معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے عقلی طور پر اس کی وجہ کیا ہے، وہ وجہ صاحبِ ھدایہ کے نزدیک مرابحہ کی اس شکل میں شبہِ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مرابحہ کو پاک ہونا چاہیے کیونکہ بیع المرابحہ 'بیع الامانہ ہے' اور شبہِ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ کہ جو شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق گو یقین نہ سہی لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت تنہا اس چیز کی نہ ہو بلکہ ادھار کی جو اجل اور مہلت ہے اس کی بھی ہو کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کیوجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں' لہٰذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس کی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار

کی بھی ہو۔ بنا بریں جو شخص نقد کی صورت میں بھی شے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شے کی تھی تو وہ گویا دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کرتا ہے' کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہٰذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مرابحت کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ مبیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو رد و قبول کا خیار ہوتا ہے لہٰذا بیع المرابحہ کی اس شکل میں بھی خریدار کو رد و قبول کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس توجیہہ کے ضمن میں صاحبِ ہدایہ نے اپنی اس بات کی تائید میں کہ اجل' مبیع سے کچھ مشابہ ہے فرمایا: **الا یری انہ یزداد فی الثمن لاجل الاجل** (کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے) اس سے بعض اہلِ علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعت اسلام کی رو سے جائز ہے حالانکہ عبارت مذکور سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا۔ اس عبارت میں جو بات کہی گئی بلحاظ واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا قرآن و حدیث کی رُو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکور کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اس لئے کہ صاحبِ ہدایہ کا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی مبیع سے کچھ مشابہت یا اجل کے متعلق مبیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کیوجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں ان کا مقصد اس کے جواز و عدمِ جواز سے بحث کرنا اور یہ بتلانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

قابلِ غور نکتہ

ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ فتح القدیر' بنایہ' عنایہ اور کفایہ وغیرہ کو دیکھ لیجئے' کسی نے نہیں لکھا کہ اجل کیوجہ سے شے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے' اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز و عدمِ جواز سے بحث کرنا ہے ہی نہیں' نیز جو معاملہ بدیہی طور پر ناجائز ہو اس کو ناجائز لکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بہرحال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل معیار قرآن و حدیث اور ان کے اصول و احکام ہیں' چنانچہ جو معاملہ ان کے مطابق ہو وہ

جائز اور جو مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ لوگوں کا اس کو کرنا یا نہ کرنا' اس کے جواز و عدم جواز کا کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی "**یزداد فی الثمن لاجل الاجل**" سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اجل یعنی مہلتِ قرض کسی ثمن و قیمت کا عوض و بدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے واضح الفاظ سے اس کی نفی کردی ہے فرمایا: "**وان استهلكه ثم علم لزمه بالف ومائة لان الاجل لا يقابله شئ من الثمن**" اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خریدنے کے بعد غلام کو ہلاک یا فروخت وغیرہ کردیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا گیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو درہم آپ کو دیئے ان میں جو اجل کا عوض تھے وہ مجھے واپس کردو کیونکہ اجل ایک ایسی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہو سکتا "**لان الاجل لا يقابله شیء من الثمن**" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اجل اور مہلت ادھار کے بالمقابل کوئی مال لینا دینا جائز نہیں' اور چونکہ ہمارے زیر بحث معاملہ میں بصورتِ ادھار نقد کے مقابلہ میں جو زائد قیمت لگائی جاتی ہے وہ اجل اور مدتِ ادھار کی وجہ سے لگائی جاتی ہے' لہٰذا ہدایہ کی اس دوسری عبارت سے الٹا اس معاملے کا ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ المبسوط اور الھدایہ کی جن عبارات سے معاملہ زیر بحث کے جواز کے لئے استدلال کیا گیا ہے کچھ بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ استدلال بے جان نظر آتا ہے اور ان عبارات سے کسی طرح اس معاملے کا جواز نہیں نکلتا جبکہ اس کے مقابلہ میں عدم جواز کے دلائل قرآن و حدیث سے تعلق رکھتے ہیں اور مضبوط و مستحکم دلائل ہیں جو قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے عرض کئے گئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ پر از سرنو پڑھیں اور غور و فکر کریں گے اور پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ اس معاملے کی شرعی حیثیت کا تعین فرمائیں گے۔

حضراتِ علماءِ کرام و مفتیانِ کرام کی خدمت میں ایک گزارش

آخر میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے علماء کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آپ ایک طرف پورے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ اور بڑے زور و شور کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنت کے اندر اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ سے متعلق تفصیلی یا اجمالی ہدایت و راہنمائی موجود ہے' اجمالی ہدایت و راہنمائی کا مطلب یہ کہ ان کے اندر ایسے اصول کلیہ اور مبادی عامہ موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر جزوی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے' اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ آپ کے سامنے جب کوئی اہم مسئلہ آتا اور اس کے متعلق شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو آپ قرآن و حدیث کی طرف رجوع نہیں فرماتے صرف فقہ اور فتاوی کی کتب پر اکتفا کرتے ہیں اور بغیر یہ دیکھے کسی فقیہ کا قول نقل کردیتے ہیں کہ اس کا قول قرآن مجید کی کس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس حدیث سے ماخوذ و مستنبط ہے' لہٰذا ہمارے دعوے اور طرز عمل میں مطابقت نہیں ہوتی اور اس کا جدید تعلیم یافتہ حضرات خصوصا قانون اور عدلیہ سے تعلق رکھنے والے ججوں اور وکلاء کے ذہنوں پر علماء کے متعلق برا تاثر قائم ہوتا ہے۔ نیز ہمارے اس طرز عمل سے ایک نقصان یہ بھی پہنچتا ہے کہ ذہنوں میں قرآن و حدیث کی عظمت بیٹھنے کی بجائے کتب فقہ و فتاوی کی عظمت بیٹھتی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ کمزور پڑتا ہے۔ فقہ کا جو اپنا جائز مقام و مرتبہ ہے اس کا ضرور لحاظ رہنا چاہیے' لیکن اس کو قرآن و حدیث کا مقام و مرتبہ دینا شریعت اسلامی کے ساتھ کھلی زیادتی ہے' اللہ ہمیں اس سے بچائے اور محفوظ رکھے! واللہ ھو الموفق والمعین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

دفتارِ کار

تنظیمِ اسلامی لاہور شہر اور لاہور شرقی کے زیرِ اہتمام

جلسہ ہائے خلافت اور کارنر میٹنگز

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا آغاز

امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۵ر ستمبر ۹۱ء کو کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے "تحریکِ خلافت پاکستان" کے آغاز کا اعلان فرمایا تھا جسے رفقائے تنظیم اسلامی نے ایک خوش آئند اعلان سے تعبیر کیا اور اس بات پر بہت سے ذمہ دار رفقاء کا تو یہ بھی تاثر تھا کہ ہم نے اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ کر یہ قدم اٹھایا ہے لیکن چونکہ یہ وقت کا بہت اہم تقاضا ہے لہٰذا اس نظامِ خلافت کے دس نکاتی منشور کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے ایسا لائحۂ عمل طے کیا جانا چاہئے جس سے اس نظامِ خلافت کی نشرواشاعت کا حق ادا ہو سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں عاملہ اور مرکزی عاملہ کی میٹنگز کے علاوہ شہر لاہور کے امراء اور نقباءِ اعلیٰ کے ساتھ باہمی مشورہ جات کے بعد یہ طے کیا گیا کہ پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں جلسہ ہائے عام منعقد کئے جائیں اور ان جلسوں میں امیرِ محترم کے علاوہ ذمہ دار رفقاء بھی خطاب فرمائیں' مزید برآں یہ کہ ان جلسوں میں تحریکِ خلافت کے تعاون فارم تقسیم کئے جائیں تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ اس تحریک کے لئے رائے عامہ کیا ہے' نیز کتنے لوگ اس سلسلے میں معاونت کے لئے آمادہ ہیں۔ باہمی مشورے میں یہ طے بھی کیا گیا کہ ماہ دسمبر تک بڑے شہروں میں ان جلسوں کے انعقاد کے بعد "تحریکِ خلافت" کو جب تک باقاعدہ ایک تنظیمی ڈھانچے میں ڈھالنے کے بابت نہیں سوچا جاتا اس وقت تک یہ جلسے تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام ہی منعقد کئے جاتے رہیں گے۔

جلسہ ہائے خلافت کی تفصیل:

"تحریکِ خلافت پاکستان" کے عنوان سے پہلا جلسۂ عام ۱۳ر اکتوبر ۹۱ء کو بعد نمازِ عشاء

باغ بیرون موچی دروازہ میں ہوا جب کہ اس سے قبل ۱۰ر ستمبر کی شب بعد نماز عشاء ایک جلسہ دھوبی گھاٹ فیصل آباد میں ہوا تھا جو امیرِ محترم کے کراچی میں کیے جانے والے اعلان سے قبل کی بات ہے۔ بہرحال لاہور کے جلسہ کے بعد ملتان ' راولپنڈی 'گوجرانوالہ ' ڈیرہ اسماعیل ' کوہاٹ ' بنوں ' پشاور اور گجرات میں تحریکِ خلافت کے سلسلے میں جلسے کیے گئے جب کہ کراچی شہر میں جلسۂ عام کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے متبادل کے طور پر تین مساجد میں تحریکِ خلافت کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا تمام شہروں میں امیرِ محترم نے پریس کانفرنسوں سے بھی خطاب کیا جس کی رپورٹنگ مقامی اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تحریکِ خلافت کو ہر مقام اور ہر سطح خصوصاً عوام الناس میں مناسب پذیرائی میسر آ رہی ہے۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ تحریکِ خلافت کی پکار بہت جلد مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن جائے گی۔

ناظمِ خلافت:

باغ بیرون موچی دروازہ لاہور کے جلسۂ عام کے بعد امیرِ محترم نے مسجد جامع القرآن ' قرآن اکیڈمی میں بھی نظامِ خلافت کے خدوخال بیان کیے اور ان دونوں مقامات سے تقریباً اڑھائی سو (۲۵۰) افراد کے تعاون فارم موصول ہوئے جن سے رابطہ کرنا چونکہ بے حد ضروری تھا لہٰذا ایک ناظمِ خلافت کی ضرورت محسوس کی گئی جو تعاون فارم پر دیئے گئے پتوں پر لوگوں سے رابطہ کا پروگرام ترتیب دے تاکہ لوگوں کی عملی اور فکری رہنمائی کا مناسب بندوبست کیا جا سکے چنانچہ تحریکِ خلافت کے ضمن میں تنظیم اسلامی کے ناظمِ پنجاب جناب عبدالرزاق صاحب کو یہ ذمہ داری سونپی گئی جو پورے جوش و جذبے کے ساتھ اس اہم ذمہ داری کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ موصوف نے امیرِ محترم کے ساتھ تمام جلسہ ہائے عام میں شرکت فرمائی مزید بر آں جس شہر میں بھی معاونینِ خلافت میسر آئے ان کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کی غرض سے اس مقام پر میٹنگز بھی رکھیں اور اللہ کے فضل سے معاونینِ خلافت نے ان میٹنگز میں بھرپور طریقے سے شرکت کی۔

خلافت کارنر میٹنگز:

ناظمِ خلافت جناب عبدالرزاق صاحب جہاں خود دن رات اسی کام میں تندہی سے لگ

گئے وہاں انہوں نے اپنے زیر انتظام پنجاب کی تمام تنظیموں کو یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ ماہِ دسمبر میں یہ تنظیمیں مقامی سطح پر خلافت کے موضوع پر چار کارنر میٹنگز کا انعقاد کریں اور پوسٹرز، ہینڈ بل اور بینرز کے ذریعے ہر کارنر میٹنگ کے لئے مناسب تشہیر اور ضروری انتظامات کئے جائیں۔ جب کہ یہ بھی طے کیا گیا کہ مقامی تنظیم کے رفقاء خطاب کے لئے مقررین کا انتخاب باہمی مشورے سے کریں۔ دوسری طرف پنجاب میں بلدیاتی انتخابات کا پروگرام بھی زوروں پر تھا' جوں جوں انتخابات کی مقررہ تاریخ قریب آ رہی تھی انتخابی ہنگامے بھی زور پکڑتے جا رہے تھے۔ ہر طرف گاڑیوں پر نصب لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے امیدواروں کے تعارف کے ساتھ موسیقی کا شور بھی عروج پر تھا۔ رات کو امیدواروں کے دفاتر پر کھانے اور چائے کی دیگیں عوام الناس کے لئے الگ باعثِ کشش بنی ہوئی تھیں۔ بازاروں اور گلیوں کی دیواریں انتخابی نعروں سے بھری نظر آتی تھیں۔ چاکنگ کے علاوہ پوسٹرز کی بھرمار نے کوئی جگہ ایسی خالی نہ چھوڑی تھی جہاں تحریکِ خلافت کے سلسلے میں کی جانے والی کارنر میٹنگز کی تشہیر کے لئے جگہ نکالی جا سکے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر حلقے کے امیدوار جس تعداد میں جگہ جگہ انتخابی جلسے اور جلوس منعقد کر رہے تھے اس سے عوام الناس کی توجہات کو ہٹانا خاصا مشکل کام تھا اور ایسے گرما گرم انتخابی معرکے کے دوران تحریکِ خلافت کی کارنر میٹنگز کا انعقاد ایک مشکل اور وقت طلب کام تھا اور اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ ایسی معرکہ خیز فضا میں ہماری آواز صحرا میں صدا کے مترادف شمار نہ ہو جائے کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ اس کا خدشہ بھی موجود تھا لیکن اس سب کے باوجود رفقاء کے سامنے قرآن مجید کی آیت مبارکہ تھی "فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" ترجمہ: اور جب تم کسی کام کا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اس بات نے رفقاء کو حوصلہ فراہم کیا جو اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ایسے کام "مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ" میں شمار ہوتے ہیں جن کو بجا لانے سے ہی عزیمت اور عظمت کی راہیں استوار ہوتی ہیں! پھر یہ کہ اقامتِ دین کی جس جدوجہد کو جاری رکھنے کا انہوں نے شعوری ارادہ کیا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ملکی اور غیر ملکی' اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے حالات سے قطعِ نظر اقامتِ دین کی جدوجہد کو اپنے تئیں جاری رکھا جائے اور اس میں حائل ہر قسم کی رکاوٹوں کو عزم و حوصلے کے ساتھ ہر جگہ اپنی پوری صلاحیتوں' جوش و جذبہ کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ بقول شاعر ؎ " واپس نہیں پھیرا کبھی فرماں جنوں کا"۔ ان ہی باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شہر لاہور کی عاملہ

نے ماہ دسمبر میں مقامی سطح پر چار تحریکِ خلافت کارنر میٹنگز کے انعقاد کا فیصلہ کیا جن کی رُوداد ذیل میں تحریر کی جاتی ہے۔

خلافت کانفرنس مسجد دارالسلام

مسجد دارالسلام باغ جناح میں پہلی تحریکِ خلافت کانفرنس مورخہ ۶ر ستمبر ۹۱ء بروز جمعۃ المبارک صبح ۱۰ بجے منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے لئے ناظم کی ذمہ داری راقم کو سونپی گئی تھی۔ یہ کانفرنس چونکہ زون نمبر ۲ میں ہو رہی تھی لہٰذا اس کے تمام تر انتظامات اسی زون کے رفقاء نے سرانجام دیئے۔ کانفرنس کی تشہیر کے لئے چھپوائے گئے پانچ سو پوسٹرز اور دو ہزار ہینڈ بلز مزنگ کے اطراف واقع مساجد اور بازاروں میں تقسیم کئے گئے جب کہ ایک روز قبل یعنی جمعرات کے دن دو پہر تین بجے سے نماز مغرب تک ٹی۔ بورڈز کے ذریعے بھی کانفرنس کی تشہیر کی گئی۔ کانفرنس کے لئے مسجد دارالسلام کے برآمدے میں ایک چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا جس کے اطراف میں تحریکِ خلافت کے منشور اور لائحۂ عمل سے متعلق بینرز لگائے گئے تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ناظمِ اعلیٰ زون نمبر ۲ جناب طارق جاوید صاحب کے ذمہ تھے جب کہ کانفرنس کی صدارت ناظمِ خلافت جناب عبدالرزاق صاحب کو کرنا تھی۔ ٹھیک ۱۰ بجے صبح کانفرنس کا باعدہ آغاز شکیل احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن حکیم سے کیا جس کے بعد ڈاکٹر عارف رشید صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ موصوف نے نہایت جامعیت کے ساتھ سورۃ الصفّ کی منتخب آیات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کو بیان کیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثِ مبارکہ بھی سنائی جس میں آپؐ نے امّتِ مسلمہ کے پانچ ادوار کی نشاندہی فرمائی ہے...... اس حدیثِ مبارکہ پر ڈاکٹر عارف رشید صاحب کا خطاب ختم ہوا جس کے بعد تنظیم اسلامی شہر لاہور کے امیر جناب مرزا ایوب بیگ صاحب کو حاضرین سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جنہوں نے پاکستان کے سیاسی حالات کے تناظر میں اسلامی نظام سے بے اعتنائی کی موجودہ روش پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ اور اس کے بعد امیرِ محترم' داعیِ تحریکِ خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تفصیل کے ساتھ نظام خلافت کے سیاسی اور معاشی پہلوؤں کو اجاگر کیا اور امتِ مسلمہ کے لئے اس نظام کی اہمیت اور ضرورت کے احساس کو بیدار کرنے کے سلسلے میں عائد ذمہ داریوں کو بیان کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے بعد اس

پہلی تحریکِ خلافت کانفرنس کا اختتام ہوا۔

دوسری خلافت کارنر میٹنگ:

مورخہ ۱۳ر دسمبر بروز جمعتہ المبارک صبح دس بجے تاج پورہ گراؤنڈ شاد باغ میں دوسری تحریکِ خلافت کارنر میٹنگ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کے تمام تر انتظامات زون نمبر ۱ اور زون نمبر ۲ کے رفقاء کے ذمہ تھے۔ اس کانفرنس کے لئے ناظمِ اعلیٰ کی ذمہ داری زون نمبر ۲ کے نقیبِ اعلیٰ جناب طارق جاوید صاحب کو سونپی گئی تھی۔ کانفرنس کی تشہیر کے لئے ۵۰۰ پوسٹرز مختلف جگہوں پر لگانے کے علاوہ تین ہزار ہینڈ بلز بھی مساجد اور بازاروں میں تقسیم کئے گئے جب کہ حسبِ سابق کانفرنس سے ایک روز قبل ٹی۔ بورڈ مہم کے علاوہ گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے اعلانات بھی کئے گئے۔ زون نمبر ۱ اور ۲ کے رفقاء علی الصبح تاجپورہ گراؤنڈ پہنچ گئے انہوں نے جلسہ گاہ کی تیاری کے ضمن میں چھوٹا سا سٹیج تیار کیا اور باغ کے اردگرد بینر لگانے کے علاوہ کرسیاں لگائیں جب کہ گراؤنڈ کے گیٹ پر مکتبہ لگانے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ٹھیک صبح ۱۰ بجے جناب فیاض حکیم صاحب نے سٹیج سیکریٹری کے فرائض سنبھالے اور قاری ارشد ثاقب صاحب نے تلاوت قرآن حکیم سے جلسہ کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس کانفرنس کی صدارت الطاف حسین صاحب، رکن مرکزی مجلسِ مشاورت نے کی۔ سب سے پہلے جناب اقبال احمد صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ جنہوں نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۲ کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اس خطۂ ارضی پر اس کے دین کو غالب کریں گے مگر تاحال ہم ایسا کرنے کے بجائے شعائرِ اسلامی کا جس انداز میں استہزاء کر رہے ہیں وہ اللہ کے غضب کو بھڑکا دینے کے مترادف ہے جس کے نتیجے میں قوم بحیثیت مجموعی عملی نفاق اور افتراقِ باہمی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ جس سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم قرآن و سنّت پر پوری طرح عمل پیرا ہوں اور ایک منظم جماعت کی شکل میں ڈھل کر اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے جدوجہد کریں۔ اقبال احمد صاحب کے بعد امیرِ تنظیم اسلامی لاہور شہر جناب مرزا ایوب بیگ صاحب نے نظامِ خلافت کے خدوخال کو بیان کیا اور انہوں نے ایک مقتدر سیاسی شخصیت کے اس بیان پر تعجب کا اظہار کیا جنہوں نے یہ کہا تھا کہ شریعت ایکٹ کے نفاذ کے بعد پاکستان پر عذاب کیوں نہیں آ گیا! مرزا ایوب بیگ صاحب نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تو آیا ہوا ہے لیکن موصوف رہنما کو نظر نہیں آتا۔ قرآن حکیم کی سورۂ انعام کی آیت

نمبر ۶۵ میں اللہ تعالیٰ نے جن تین عذابوں کا ذکر فرمایا ہے اس میں سے ایک صورت یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر دونوں کی قوت کا باہم مزہ چکھائے" سندھ میں اس وقت تمام مسلمان آپس میں دست و گریبان ہیں اور عصبیتوں نے جس انداز سے سر اٹھا رکھا ہے وہ پاکستان کے وجود کے لئے بہت مہلک ہے اور یہی صورتِ حال ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی نظر آتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں ہیں۔ ہمیں اس عذاب سے نکلنے کے لئے انفرادی اور اجتماعی توبہ کرنا ہو گی اور ایک تحریک برپا کر کے نظامِ خلافت کو نافذ کرنا ہو گا جس کے نتیجے میں ہمارے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام میں جو تبدیلیاں رُونما ہوں گی اس سے ظلم، استحصال اور ناانصافی کے خاتمے میں مدد ملے گی اور عوام الناس کو اس دنیا میں بھی امن و چین نصیب ہو گا اور وہ اللہ کے ہاں بھی مسئولیت سے بری ہو سکیں گے۔ مرزا ایوب بیگ صاحب کے خطاب کے بعد یہ کارنر میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اس میٹنگ میں احباب کی حاضری خلافِ توقع کم رہی۔

تیسری کارنر میٹنگ:

تحریکِ خلافت کے ضمن میں یہ تیسری میٹنگ تھی جو جمعرات ۱۹ر دسمبر ۹۱ء کو بعد نماز عشاء چوک عاشق آباد میں منعقد کی گئی اس کارنر میٹنگ کے ناظم جناب محمد یونس صاحب نقیبِ اعلیٰ زون نمبر ۵ کو مقرر کیا گیا۔ اس کارنر میٹنگ کے تمام انتظامات زون نمبر ۵ کے رفقاء نے سر انجام دیئے۔ خاص طور پر اُسرہ رحمان پورہ کے رفقاء نے بھرپور طور پر کام کیا اس کے لئے چار چوکوں میں بینرز آویزاں کئے گئے۔ ۲۰۰۰ ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے اور دو دن گاڑی پر اعلانات بھی کئے جاتے رہے۔ جمعرات ہی کے دن سہ پہر ۳ بجے تا نماز مغرب اچھرہ کے علاقے میں ٹی۔ بورڈ مہم کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس کارنر میٹنگ کی صدارت امیر تنظیم اسلامی لاہور مرزا ایوب بیگ صاحب نے کی جب کہ سٹیج سیکریٹری کے فرائض طارق جاوید صاحب نے انجام دیئے۔ اس کارنر میٹنگ سے محمد بشیر صاحب نے مختصر خطاب کیا جس کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے نظامِ خلافت کے موضوع پر تفصیلی خطاب کیا۔ الحمدُللہ اس کارنر میٹنگ میں احباب کی حاضری بھرپور رہی۔

چوتھی کارنر میٹنگ:

یہ کارنر میٹنگ زون نمبر ۵ کے زیر اہتمام چوک نیلی بار بنک اسلام پورہ میں ۲۵ر دسمبر ۹۱ء

بعد نمازِ عشاء منعقد کی گئی۔ اور اس کارنر میٹنگ کے ناظم جناب عمران چشتی صاحب تھے۔ بلدیاتی الیکشن کے ہنگاموں کے باوجود رفقاء نے اس جلسۂ عام کے لئے بھرپور محنت کی اور پانچ سو پوسٹرز لگائے اور گاڑیوں پر اعلانات بھی کئے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے اور حسبِ سابق ٹی۔ بورڈ مہم کا بھی اہتمام کیا گیا۔ وقتِ مقررہ سے قبل رفقاء نے تمام انتظام مکمل کر لئے تھے، سردی سے بچاؤ کے لئے ٹینٹ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کارنر میٹنگ کی صدارت لاہور عاملہ کے رکن جناب مختار احمد خان صاحب نے کی۔ سٹیج سیکریٹری کے فرائض جناب طارق جاوید صاحب نے انجام دیئے۔ تلاوتِ قرآن حکیم سے اس میٹنگ کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز کیا گیا جس کے بعد راقم (غازی محمد وقاص) نے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر مختصر خطاب کیا۔اس کے بعد دوسرے مقرر جناب اقبال حسین صاحب نے امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور خصوصاً پاکستان میں مسلمانوں کی اخلاقی اور ایمانی حالتِ زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے' اس صورتِ حال سے نکلنے کی راہ ایک حدیثِ مبارکہ کے حوالے سے بیان کی جس کے بعد آخر میں امیرِ تنظیم اسلامی لاہور جناب مرزا ایوب بیگ صاحب نے نظامِ خلافت کے خدوخال کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس کارنر میٹنگ میں انتخابات کی گہماگہمی اور موسم کی شدت کے باوجود احباب کی حاضری خاصی رہی جس پر مرزا ایوب بیگ صاحب نے رفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے جس کی نصرت و تائید سے لاہور شہر میں تحریکِ خلافت کے ضمن میں ہم کارنر میٹنگز اور کانفرنسوں کے انعقاد میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی جذبے کے ساتھ کام کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور امتِ مسلمہ میں نظامِ خلافت کا عمومی شعور بیدار پیدا فرمائے۔

رپورٹ لاہور شرقی

محترم ناظمِ پنجاب کی ہدایت کے مطابق پنجاب کی دوسری تمام تنظیموں کی طرح تنظیم اسلامی لاہور شرقی نے بھی تحریکِ خلافت پاکستان کے تعارف کے ضمن میں ماہ دسمبر ۹۱ء میں اپنے علاقے میں چار جلسوں کے انعقاد کا پروگرام طے کیا۔(یہ چاروں جلسے تنظیم اسلامی لاہور شرقی نمبر ۱ اور شرقی نمبر ۲ کے رفقاء نے مشترکہ طور پر کرنے تھے) مختلف مقامات پر ہونے والے ان جلسوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے رکھی گئی۔

☆ جمعہ ۶ دسمبر بمقام گرین ٹاؤن۔
☆ جمعہ ۱۳ دسمبر، بمقام فتح آباد کالونی لاہور کینٹ۔
☆ جمعہ ۲۰ دسمبر، بمقام آر۔اے بازار۔
☆ جمعہ ۲۷ دسمبر، بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن۔

قارئینِ "میثاق" اور رفقاءِ تنظیم اسلامی کی دلچسپی کے لئے ان پروگراموں کی ایک مختصر رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔

۶ دسمبر، بمقام گرین ٹاؤن

تحریکِ خلافت کے تعارف کے ضمن میں ماہ دسمبر کے دوران تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے زیر اہتمام ہونے والا یہ پہلا جلسہ عام تھا جو مین مارکیٹ (آخری سٹاپ) گرین ٹاؤن کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے ناظم لاہور شرقی نمبر ۲ کے امیر محمود عالم میاں صاحب تھے۔

جلسہ کے سلسلے میں پورا دن لگانے والے رفقاء کو صبح دس بجے مقررہ مقام پر پہنچنے کے لئے کہا گیا تھا تاکہ جلسہ کے لئے تشہیر، ذاتی رابطہ اور دیگر انتظامات کئے جاسکیں۔ دونوں تنظیموں میں سے جن ۳۵ رفقاء نے نام دئے تھے ان میں سے چند ایک کے علاوہ باقی تمام رفقاء مقررہ وقت پر مقامِ جلسہ پر پہنچ گئے اور ناظمِ جلسہ کی ہدایت کے مطابق انتظامات میں مصروف ہوگئے۔

ابتدائی نوعیت کے انتظامی امور سے فراغت کے بعد تمام رفقاء رفیقِ تنظیم یونس طور صاحب کی رہائش گاہ پر جمع ہوگئے جو جلسہ گاہ سے قریب ہی واقع ہے۔ وہاں ناظمِ جلسہ نے رفقاء سے مختصر خطاب فرمایا، تقسیم کئے جانے والے ہینڈ بل کی عبارت پڑھ کر سنائی اور ان کی تقسیم سے متعلق ہدایات دینے کے بعد علاقے کی آٹھ مساجد کے علاوہ گھروں اور دکانوں پر ہینڈ بل تقسیم کرنے کے لئے تین تین کے گروپس میں رفقاء کی ڈیوٹیاں لگائیں۔ علاوہ ازیں پورے علاقے میں جلسہ کا اعلان کرنے کے لئے ایک گاڑی پر پبلک ایڈریس سسٹم نصب کرکے روانہ کیا گیا۔ رفقاء نے ناظمِ جلسہ کی ہدایت کے مطابق علاقے کے مکینوں اور دکانداروں تک جلسہ کی دعوت پہنچانے کے علاوہ مقامی مساجد میں بھی نماز جمعہ کے بعد بڑی تعداد میں (تقریباً چار ہزار) ہینڈ بلز تقسیم کئے اور جن مساجد میں ممکن ہوسکا جلسے کا اعلان بھی کروادیا۔

نماز جمعہ کے بعد تمام رفقاء نے واپس آکر جلسہ گاہ میں اجتماعی طور پر دوپہر کا کھانا تناول کیا اور نماز عصر تک تھوڑا سا آرام کیا۔ نماز عصر کے فوراً بعد چند رفقاء کو جلسہ گاہ کی ترتیب و تزئین کی ذمہ داری سونپ دی گئی، جبکہ باقی تمام رفقاء نے ٹی بورڈ کے ذریعہ پوری مارکیٹ کا ایک مکمل راؤنڈ کیا۔ راستے میں جلسہ کے اعلان پر مشتمل ہینڈ بلز بھی تقسیم کئے گئے۔ یہ ٹی بورڈ مہم نماز مغرب سے متصلاً

قبل جلسہ گاہ میں آخر اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے کچھ دیر بعد مغرب کی اذانیں شروع ہو گئیں۔ تمام رفقاء نے نزدیکی مسجدوں میں نماز مغرب ادا کی۔

نماز مغرب کے بعد رفقاء اور احباب جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ چند منٹ تک سٹیج سے حافظ شبیر صاحب علامہ اقبال کے مختلف اشعار سے حاضرین کے دلوں کو گرماتے رہے۔ اس کے بعد جلسہ کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز کر دیا گیا سب سے پہلے رفیقِ محترم حبیب الرحمٰن صاحب نے تلاوتِ کلامِ پاک سے جلسہ کا آغاز کیا۔ اس کے بعد جلسہ کے پہلے مقرر حافظ غلام شبیر صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی جنہوں نے مختصراً لیکن انتہائی جوشیلے انداز میں تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد اور اس کے پیشِ نظر مقاصد پر روشنی ڈالی اور اس کے ساتھ سامعین کو بھی دعوت دی کہ تنظیم کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی زندگیوں کو دینِ اسلام کے صحیح اصولوں پر استوار کرنے اور پاکستان میں دین کے نفاذ کے لئے تنظیم کے ساتھی بنیں حافظ صاحب کی مختصر تقریر کے بعد جناب فتح محمد قریشی صاحب امیرِ تنظیم اسلامی لاہور شرقی نمبر ا کو خطاب کے لئے بلایا گیا۔

فتح محمد قریشی صاحب نے اپنے ۴۵ منٹ کے خطاب میں مختصر طور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں خلافت کا مفہوم بیان کرنے کے علاوہ مسلمانانِ پاکستان کے لئے نظامِ خلافت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے خدوخال بیان فرمائے۔ اور آخر میں اس کے قیام کے طریقِ کار پر روشنی ڈالی اور سامعین کو اس کام کے لئے دعوتِ عمل دی۔ ان کی تقریر کے اختتام پر سامعین میں تحریکِ خلافت کا منشور اور "تعاون فارم" تقسیم کئے گئے اور اپیل کی گئی کہ جو حضرات اس سلسلے میں معاونت کا عہد کرنا چاہتے ہیں وہ یہ فارم پُر کر کے دے دیں۔ جلسہ میں موجود تقریباً ۱۰۰ احباب میں سے سات نے تعاون فارم پُر کر کے تحریکِ خلافت کے معاون بننے کا عہد کیا۔

امیر محترم کی کتب اور کیسٹس کا سٹال صبح ۱۰ بجے سے جلسے کے اختتام تک لگا رہا جہاں سے لوگوں نے محدود تعداد میں کتب اور کیسٹس بھی خریدیں یہ جلسہ رفقاء و احباب کی حاضری، انتظامی امور اور دیگر پہلوؤں سے کافی حد تک کامیاب رہا۔

اللہ سے دعا ہے کہ رفقاء کی اس محنت کو شرف قبول عطا فرمائے!

۱۳ دسمبر، بمقام لاہور کینٹ

تحریکِ خلافت کے تعارف کے ضمن میں ماہ دسمبر کا یہ دوسرا جلسۂ عام کا پروگرام تھا جو لاہور کینٹ میں فتح آباد کالونی کی مسجد، جو کیبن والی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے، میں تشکیل دیا گیا تھا۔ اس کے لئے لاہور شرقی کے ان رفقاء کو جو اپنا پورا دن اس پروگرام کے لئے وقف کرنا چاہیں، صبح ۱۰ بجے فتح آباد کالونی پہنچنا تھا۔ باقی رفقاء کو عصر کے وقت پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ چنانچہ صبح ۱۰ بجے

تیس رفقاء مقررہ مقام پر پہنچے، جن میں اسرہ کینٹ اور والٹن (شرقی تنظیم نمبر۱) سے شریک ہونے والے رفقاء کی تعداد ۱۷، جبکہ قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج (شرقی تنظیم نمبر۲) سے پہنچنے والے رفقاء کی تعداد ۱۳ تھی۔ ناظمِ جلسہ کی ذمہ داری محترم میجر (ریٹائرڈ) احسن رؤف صاحب کو سونپی گئی تھی جو اسرہ کینٹ کے نقیب ہیں۔ میجر صاحب موصوف اور فتح محمد قریشی صاحب (امیر تنظیم اسلامی لاہور شرقی نمبر۱) دونوں نے کمال خوش اسلوبی کے ساتھ جلسے کے انتظامات کی نگرانی کی اور اس سلسلے میں رفقاء کو مناسب ہدایات دیتے رہے۔

رفقاء کے پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد جلسہ کے انتظامات کا آغاز کر دیا گیا۔ ہینڈ بلز کی تقسیم اور عمومی رابطہ کے لئے رفقاء کی چار ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ جلسہ کی تشہیر کے لئے اڑھائی ہزار ہینڈ بل چھپوائے گئے تھے۔ چاروں ٹیموں کو ہینڈ بلز کی مناسب تعداد کے ساتھ فتح آباد کالونی اور آس پاس کے محلوں کی طرف روانہ کیا گیا۔ باقی رفقاء دیگر انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ نماز جمعہ سے پہلے یہ ہینڈ بل گھر گھر دستک دے کر تقسیم کئے گئے اور بعد ازاں لاہور کینٹ کی گیارہ مساجد میں بھی نماز جمعہ کے بعد یہ ہینڈ بل تقسیم کئے گئے اس طرح تقریباً پورے علاقے میں ان کی تقسیم کا عمل مکمل ہوا۔

نماز جمعہ کے بعد رفقاء دوبارہ فتح آباد کالونی کی مسجد میں اکٹھے ہوئے، جہاں اجتماعی کھانے کا پروگرام تشکیل دیا گیا تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد رفقاء نے کچھ دیر آرام کیا۔ اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت ہو گیا، جس کے فوراً بعد ٹی بورڈ مہم کا پروگرام طے تھا۔ نماز عصر میں لاہور شرقی کے مختلف اُسروں کے مزید رفقاء بھی یہاں پہنچ گئے۔ رفقاء نے نماز عصر اسی مسجد میں اکٹھے ادا کی اور اس کے بعد ٹی بورڈ مہم کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ ٹی بورڈ مہم کے لئے دو ٹیمیں تشکیل دی گئیں اور انہیں قریبی علاقے میں بھیج دیا گیا۔ یہ مہم نماز مغرب تک جاری رہی۔

نماز مغرب کے لئے رفقاء ایک مرتبہ پھر مسجد میں اکٹھے ہوئے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد رفقاء مسجد سے باہر جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ احباب کی حاضری بھی اطمینان بخش تھی۔ پھر جلسہ کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز کیا گیا جس کے لئے رفقاء صبح سے لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حافظ شبیر صاحب نے تقریباً پانچ منٹ تک مختصر گفتگو کی، جس میں لوگوں کو جلسہ کے موضوع اور اس کی اہمیت کے متعلق بتایا۔ اس کے بعد اس جلسے کے مہمان مقرر پروفیسر حافظ خالد محمود صاحب (آف میانوالی) کو عمومی خطاب کی دعوت دی گئی، جنہوں نے تقریباً ۴۵ منٹ میں تحریکِ خلافت، اس کی اہمیت، اس کے تقاضے اور اس سلسلے میں امتِ مسلمہ پر عائد ذمہ داریوں کے متعلق نہایت جامعیت کے ساتھ خطاب کیا۔ رفقاء کے علاوہ تقریباً (۱۰۰) سو کے قریب احباب نے پوری توجہ کے ساتھ خطاب کو سنا اور سراہا۔

بعد ازیں تحریکِ خلافت کے پمفلٹ اور تعاون فارم تقسیم کئے گئے۔ اس طرح یہ جلسہ عشاء کی

نماز سے متصلاً قبل اختتام پذیر ہوا۔ اس موقع پر امیرِ محترم کی کتب اور کیسٹس کا سٹال بھی صبح ہی سے لگایا گیا تھا، جس پر تمام دن لوگوں کی آمد و رفت رہی اور لوگوں نے کتب اور کیسٹس سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔

۲۰ دسمبر، بمقام آر۔ اے بازار

تحریکِ خلافت کے تعارف کے ضمن میں دوسرے جلسے کا پروگرام آر۔ اے بازار کے مین بازار میں رکھا گیا تھا، جو کہ ایک بارونق اور گنجان آباد علاقہ ہے۔ اس جلسہ کے لئے جناب فتح محمد قریشی صاحب (امیرِ شرقی نمبر۱) ناظمِ جلسہ کی ذمہ داری اسرہ والٹن کے نقیب جناب حبیب الرحمٰن صاحب کے سپرد کی تھی۔

جلسہ کے انعقاد کے لئے جب اسسٹنٹ کمشنر سے اجازت طلب کی گئی تو انہوں نے ایس ایچ۔او کینٹ کے پاس بھیجا، لیکن انہوں نے اجازت دینے سے انکار کردیا۔ حالانکہ اس جلسے کی نوعیت سیاسی نہیں تھی اور اس میں لوگوں کی اتنی تعداد بھی متوقع نہیں تھی کہ جس سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ بہرحال جلسے کا پروگرام چونکہ طے کرلیا گیا تھا لہٰذا باوجود اجازت نہ ملنے کے اسی ترتیب اور اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے سہارے جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ البتہ یہ طے کرلیا گیا تھا اگر جلسہ کے انعقاد میں رکاوٹ ڈالی گئی یا عین وقت پر پولیس نے جلسہ کی کارروائی رکوانے کی کوشش کی تو بجائے مین بازار کے جلسہ کو فوری طور پر آر۔ اے بازار کی مرکزی عیدگاہ میں منتقل کرلیا جائے گا۔ لیکن بحمد اللہ اس کی نوبت نہ آئی اور انتظامیہ کی طرف سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی، جبکہ جلسہ میں لاؤڈ سپیکر بھی استعمال کیا گیا، جس کی اجازت نہیں تھی۔

وہ رفقاء جو اپنا پورا دن اللہ کی راہ میں اس طور سے لگانا چاہتے تھے کہ وہ جلسہ کے انتظامات میں حصہ لیں وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق صبح دس بجے آر۔ اے بازار کے ڈاک خانہ کے قریب پہنچ گئے۔ والٹن کے پورے اسرے کے علاوہ اسرہ کینٹ اور شرقی نمبر۲ سے ۲۲ کی تعداد میں رفقاء آئے۔ اس طرح رفقاء کی مجموعی تعداد ۳۲ ہوگئی۔ ناظمِ جلسہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے اسرہ کے رفقاء کے ہمراہ آر۔ اے بازار میں چند روز پہلے ہی سے رابطہ عوام مہم شروع کر رکھی تھی اور جلسے کی مقررہ تاریخ سے دو روز قبل گاڑی پر پبلک ایڈریس سسٹم کے ذریعے اعلان کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا تھا، جس کے خاطر خواہ نتائج دیکھنے میں آئے۔

رفقاء کے پہنچنے کے کچھ دیر بعد انتظاماتِ جلسہ کا آغاز کردیا گیا۔ بعض رفقاء نے کتب اور کیسٹس کا سٹال لگایا، بعض دوسرے انتظامات میں مصروف ہوگئے اور باقی رفقاء کو ناظمِ جلسہ نے چار چار

رفقاء پر مشتمل پانچ ٹیموں میں تقسیم کر کے رابطہ عوام کے لئے مختلف اطراف میں بھیج دیا۔ ہر ٹیم کا ایک امیر مقرر کیا گیا تھا اور ایک رفیق نے ٹی بورڈ اٹھا رکھا تھا' جبکہ دو ساتھی لوگوں کو جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے اور ہینڈ بل تقسیم کرنے میں مصروف تھے۔ ہر معروف موڑ اور چوک پر رُک کر حسبِ ہدایت چند منٹ کے لئے خطاب بھی کیا جاتا' اس طرح ہر ٹیم نے اوسطاً چار چار جگہ پر کارنر میٹنگز کا انعقاد بھی کر لیا۔ بارہ بجے تک تمام ٹیمیں واپس پہنچ گئیں۔ دوسرے مرحلے میں مختلف ٹیمیں مختلف جامع مساجد کی طرف روانہ کی گئیں' تاکہ نماز جمعہ کے بعد ہینڈ بل تقسیم کئے جائیں۔ اس طرح آر۔ اے بازار اور نشاط کالونی کی سات مساجد میں ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ آر۔ اے بازار میں نماز جمعہ کا سب سے بڑا اجتماع مرکزی عید گاہ میں ہوتا ہے۔ وہاں ہینڈ بلز کی تقسیم کے علاوہ خطیبِ صاحب سے کہہ کر جلسہ کے لئے اعلان بھی کروایا گیا۔

نماز جمعہ کے بعد طے شدہ پروگرام کے تحت رفقاء نے اجتماعی طور پر دوپہر کا کھانا کھایا اور چائے نوش کی نماز عصر کے بعد ٹی۔ بورڈ مہم کا آغاز کیا گیا جس کے ساتھ ساتھ گاڑی پر بھی اعلان کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ مہم نماز مغرب سے پہلے اختتام کو پہنچی۔

نماز مغرب کے بعد جلسے کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن حکیم سے کیا گیا' جس کے بعد محترم ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے جلسے سے خطاب کیا۔ امیر تنظیم اسلامی لاہور شرقی نمبرا فتح محمد قریشی صاحب اور مرکزی عید گاہ آر۔ اے بازار کے خطیب جناب حافظ مختار احمد گوندل بھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے مختصر مگر جامع انداز میں تحریکِ خلافت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی اہمیت اور اس سلسلے میں عائد ذمہ داریوں سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو لوگوں نے بڑے شوق اور انہماک سے سنا۔ ڈاکٹر عارف رشید صاحب کے خطاب کے بعد حافظ مختار احمد گوندل صاحب کو اختتامی خطاب اور دعا کے لئے دعوت دی گئی۔ حافظ صاحب محترم نے اپنے اختتامی کلمات میں تنظیم اسلامی پاکستان کو احیائے خلافت کی تحریک کا آغاز کرنے پر ہدیۂ تبریک پیش کیا اور تحریکِ خلافت کے منشور کے جو نکات ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے بیان کئے تھے انہیں بے حد سراہا۔ اس کے بعد حافظ صاحب محترم نے اجتماعی دعا کروائی اور اس طرح یہ جلسہ اختتام کو پہنچا جلسے کے اختتام پر حاضرین میں تحریکِ خلافت کے منشور پر مشتمل پمفلٹ اور تعاون کے فارم تقسیم کئے گئے۔

اس جلسہ میں رفقاء تنظیم کے علاوہ جو احباب شریک ہوئے ان کی تعداد ۱۲۰ کے قریب تھی۔ اس کے علاوہ یہ جلسہ چونکہ مین بازار میں ہو رہا تھا لہٰذا دکانوں پر موجود دکاندار حضرات کی ایک بڑی اکثریت نے بھی اسے سنا۔

۲۷ دسمبر' بمقام قرآن اکیڈمی

ماہ دسمبر کا چوتھا جلسۂ عام' جو لاہور کی تینوں تنظیموں کا مشترکہ جلسہ تھا' جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن لاہور میں صبح ساڑھے دس بجے منعقد ہوا' جس میں مرکزی خطاب کی حیثیت امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطابِ جمعہ کی تھی۔ جلسۂ عام کا آغاز حسبِ دستور تلاوتِ قرآن حکیم سے کیا گیا۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب کے ناظم اور تحریکِ خلافت پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ محترم عبد الرزاق صاحب نے تحریکِ خلافت پاکستان کا تعارف پیش فرمایا اور خلیفہ اور خلافت کے مفہوم کی وضاحت کی۔ ان کے بعد ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے سورۃ الصّف کی آیات ۸ تا ۱۱ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی تکمیل کے ضمن میں امتِ مسلمہ پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو مختصر طور پر بیان کیا اور احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں واضح کیا کہ اب دینِ حق کا غلبہ اور نظامِ خلافت کا قیام زیادہ دور کی باتیں نہیں ہیں۔
۴۵-۱۱ پر امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ امیرِ محترم کے خطاب کا موضوع نظامِ خلافت اور وحدتِ امت کے بارے میں "علامہ اقبال کے نظریات کی غلط ترجمانی" تھا۔ امیرِ محترم نے اپنے ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب میں مختلف پہلوؤں سے اس موضوع کی وضاحت کی اس خطاب کا "پریس ریلیز" "میثاق" کے اسی شمارے میں صفحہ ۹ پر شائع کیا جارہا ہے○

ناظم حلقۂ سندھ کا
حیدر آباد کا ایک تنظیمی دَورہ

دین کا کام ہمیشہ دشوار رہا ہے اور انہی دشوار گذار راستوں پر انبیاء کرامؑ چلتے رہے ہیں اور وہ لوگ بھی جو ان کے پیروکار تھے۔ یہی راستہ جنّت کی طرف جاتا ہے اور وہی لوگ بامراد ہوتے ہیں جو اس دشوار گذار راستے کو عبور کر لیتے ہیں۔

دین محض عبادات کا مجموعہ ہی نہیں ہے' بلکہ یہ زندگی گذارنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے جس کی گرفت میں نظامِ معیشت' نظامِ معاشرت اور نظامِ سیاست بھی آتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مراسمِ عبودیت تو اسلامی طریقہ پر ادا کر لئے جائیں لیکن معیشت' معاشرت اور سیاست میں غیر اسلامی طریقہ اختیار کیا جائے۔ انگریزوں کی غلامی کے دور میں ہم مجبورِ محض تھے' جس میں

عبادت کی بعض اشکال کی اجازت تھی اور ہم اسی پر اکتفا کرنے پر مجبور تھے۔ کئی نسلیں اسی طرح گذر گئیں اور ہم دین کے اس حصّے پر عمل نہ کر سکے جو ہمارے دین کا انتہائی اہم حصہ تھا۔ آزادی کے بعد ہمیں چاہئے تھا کہ دین کے ان تقاضوں کو فوری طور پر اپنایا جاتا جسے انگریز کے دور میں مجبورِ محض ہونے کی وجہ سے اپنایا نہ جا سکا تھا' مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اور اب دین کے اس اہم حصّہ کے لئے اپنے ہی مسلمان حکمرانوں سے مطالبہ کرنا پڑ رہا ہے' جن کا یہ اپنا فریضہ تھا کہ فوری طور پر خود بھی اسے اختیار کرتے اور اس کا عملاً نفاذ بھی کرتے' مگر انگریز کی اس معنوی ذرّیت نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ انگریز کے چھوڑے ہوئے نظامِ زندگی کو ورثہ سمجھ کر اپنا رکھا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ سوتے ہوئے کو جگایا جا سکتا ہے لیکن جاگتے ہوئے کو جگانا مشکل ہے۔ ہمارے حکمران یہ باتیں اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن جان بوجھ کر دین کے عملی نفاذ سے گریز کر رہے ہیں ----- جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کا کلمہ پڑھا ہوا ہے اور خود کو مسلمان کہتے ہیں ان پر یہ فرض از خود عائد ہوتا ہے کہ وہ دین کے عملی نفاذ کی کوشش کریں مگر حد درجہ حیرت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک غیر مسلم کے طرزِ عمل میں اور ان نام نہاد مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل میں سرِمُو فرق نہیں ہے۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں مسلم حکمرانوں سے اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے تو یہ کسی طرح غلط نہ ہو گا۔

دین کا یہ اہم حصّہ اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے حصول کے لئے اجتماعی کوشش درکار ہے' لہٰذا جو لوگ دین کے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے بے چین ہیں انہیں کسی نہ کسی ہیئتِ اجتماعی سے وابستہ ہونا پڑے گا۔ اور اس کے حصول کے لئے عملی جدوجہد کرنا پڑے گی۔ تنظیمِ اسلامی اسی مقصد کے لئے قائم ہوئی ہے کہ دین کے اس اہم حصّے کو ملک میں جاری کیا جائے تاکہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ملک و ملّت کو اس نظام کی برکات سے بہرہ مند ہونے کا موقع میسّر آ سکے۔ یہی فریضہ تنظیم کے کارکنوں کو کشاں کشاں لئے پھرتا ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کے لئے خود بھی کوشاں ہیں اور ابنائے وطن کو بھی دعوت دے رہے ہیں۔ جو لوگ اس پکار پر جمع ہوتے ہیں انہیں منظّم کیا جاتا ہے' ان کی تربیت کی جاتی ہے اور انہیں اجتماعی جدوجہد میں شامل کیا جاتا ہے' تاکہ وہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوں جن کا ہمارا دین متقاضی ہے۔ یعنی اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم ہو' جسے بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت کہتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ناظمِ حلقۂ سندھ جناب سیم الدین صاحب کے ہمراہ تنظیمِ اسلامی کے رفقاء (عبدالعظیم صاحب، رحیم کاشفی صاحب اور راقم الحروف) حیدر آباد گئے تاکہ وہاں جن لوگوں نے اس پکار پر لبیک کہا ہے اور اس دعوت کو قبول کیا ہے ان سے ملاقات کی جائے اور اس طرح بعض ناگزیر وجوہات کی بناپر جو تعلق کمزور ہو گیا تھا اسے از سرِ نو استوار کیا جائے۔

بد قسمتی سے گذشتہ کئی برسوں سے حیدر آباد شدید خوف و ہراس سے گذر رہا ہے۔ وہاں کے بسنے والے ہر وقت اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کیا ہو جائے اور یہ دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک اللہ، ایک رسولؐ، ایک کتاب کے ماننے والے، ایک ہی کلمہ پڑھنے والے اور مساجد میں ایک ساتھ نماز ادا کرنے والے اچانک مشتعل ہو کر ایک دوسرے کا خون اس طرح بہائیں کہ شاید درندے بھی ایسا کرنے سے گریز کرتے ہوں۔ ——— یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ جس نبیؐ کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں اس کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی عزت و آبرو، اس کا مال اور اس کا خون باہم ایک دوسرے پر حرام ہے اور قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس نے کسی مومن کو قتل کیا اس کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم ہے۔ زمین پر اس جہنم کا عملی مظہر حیدر آباد ہے، جس پر خوف و دہشت کافی عرصہ سے سایہ فگن ہے۔ جہاں سکون نام کی شے جاتی رہی ہے۔ گو کہ کاروبارِ زندگی جاری ہے لیکن جس سے پوچھو وہ بے سکونی کا شاکی نظر آتا ہے۔ ان حالات میں یہاں تنظیمی اجتماعات برائے نام ہوتے رہے ہیں کیونکہ رفقاء عدمِ تحفظ کی وجہ سے ایک جگہ جمع ہونے سے کتراتے ہیں۔ لوگ زیادہ تر اوقات گھروں میں رہ کر ہی گزارتے ہیں۔

ان نامساعد حالات کی بناء پر مرکز نے بھی خاطر خواہ توجہ نہیں کی۔ حالانکہ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ دنیا کے دیگر سارے کام تو ہم انہی حالات میں کر رہے ہیں، جب کہ دین کا کام جو ان تمام کاموں سے زیادہ اہم ہے حالات کی نذر ہو رہا ہے۔ یہ سب ہماری ترجیحات کے عدمِ توازن کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جس چیز کو ترجیح دی ہے اس کے لئے بھاگ دوڑ میں کمی نہیں، لیکن اگر کمی ہے تو اس کام کے لئے جسے ہماری ترجیحات میں اوّل ہونا چاہئے۔ مقامی اور مرکزی دونوں سطحوں پر ہمیں اس کمزوری کو جلد از جلد دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حیدر آباد میں چونکہ دس ملتزم رفقاء موجود نہیں ہیں اس لئے اسے اُسرہ ہی کا درجہ دیا گیا ہے اور اس اُسرہ کے نقیب جناب عبدالقادر صاحب ہیں جن کی قیام گاہ پر ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ حیدر آباد کے رفقاء کو چاہئے کہ وہ جلد از جلد اس کمی کو پورا کریں اور مبتدی رفیق

سے ملتزم رفیق بننے کی طرف پیش قدمی کریں تاکہ وہاں تنظیم قائم ہو سکے۔ اس کے لئے انہیں ایک ہفت روزہ تربیت گاہ کے لئے بھی وقت نکالنا ہو گا۔ زندگی کے اس طویل سفر میں ایک ہفتہ نکالنا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ بیماری کی صورت میں انسان مہینوں بستر پر پڑا رہتا ہے لیکن کیا وہ دین کے لئے ایک ہفتہ بھی نہیں نکال سکتا؟

ہمارا یہ چار رکنی وفد صبح دس بجے حیدر آباد پہنچا۔ اس سے قبل ناظمِ حلقۂ سندھ کی طرف سے رفقاءِ حیدر آباد کو خطوط کے ذریعہ مطلع کیا گیا تھا کہ ہماری حاضری ان شاء اللہ جمعہ ۲۹ ر نومبر کو ہو گی اور نقیبِ اُسرہ نے بھی رفقاء کو ناظمِ حلقہ کی آمد کی اطلاع دے رکھی تھی۔ نقیبِ اُسرہ نے ہمیں ایک گاڑی فراہم کر دی جس کے ذریعہ کم وقت میں رفقاء کے گھروں تک پہنچنے میں آسانی ہو گئی۔ سات رفقاء کے گھروں پر جا کر ان سے ملاقات کی گئی اور اپنی آمد کو یقینی کر کے دکھایا گیا۔ یہ اس لئے کہ اس سے قبل بھی حیدر آباد کے لئے دو مرتبہ پروگرام بنایا گیا تھا مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر اسے ملتوی کرنا پڑا تھا۔ بعد نمازِ عصر اجتماع ہوا جس میں آٹھ رفقاء نے شرکت کی۔

فہرست میں حیدر آباد کے رفقاء کی تعداد اگرچہ بیس ہے، لیکن فعال رفقاء کی تعداد قریباً نصف ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں پروگرام دیا جائے اور یہ کہ مرکز ہم سے مسلسل رابطہ رکھے اور ہمیں بتایا جائے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہی صورت اکثر و بیشتر جگہوں پر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ از خود چلنے والے کم ہی ہوتے ہیں جب کہ اکثریت چاہتی ہے کہ انہیں پروگرام دے کر متحرک کیا جائے۔ حیدر آباد میں درسِ قرآن اور درسِ حدیث دینے والے رفقاء بھی موجود ہیں اور ان کا پروگرام ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ مگر حیدر آباد کے حالات نے ان پروگراموں کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اب دوبارہ انہیں از سرِ نو منظم کرنے اور ان کے عزم کو مہمیز لگانے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

رفقاءِ حیدر آباد نے اس موقع پر اپنے پر جوش عزم کا اظہار کیا جس سے ہمارے حوصلے بھی بلند ہوئے۔ ناظمِ حلقہ جناب نسیم الدین صاحب نے کہا کہ وہ ہر ماہ کا آخری جمعہ حیدر آباد میں گذارا کریں گے۔ یہ بات جملہ رفقاء نے بہت پسند کی اور اس حوصلہ افزائی پر خوشی کا اظہار کیا۔ اجتماع میں رفقاء سے قدرے تفصیلی تعارف بھی ہوا اور ناظمِ حلقہ نے سب کو بہت مختصر مگر پر اثر انداز میں متوجہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا رفقاء پر اچھا تاثر قائم ہوا ہو گا۔ یہ نشست بعد مغرب بھی جاری رہی اور ہم لوگ عشاء کی نماز کے بعد کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔

(مرتب: نجیب صدیقی)

صوبہ سرحد میں ندائے خلافت

داعیٔ تحریکِ خلافت اور ناظمِ تحریک کا پانچ روزہ دورۂ سرحد

لفظ "خلافت" جہاں ہر مسلمان کے لئے مقدس و محترم اور اس کے دل کی آواز ہے' وہاں اس کی حیثیت ایک بھولی بسری یاد سے زیادہ نہیں' جس کی سُوئی خلافتِ راشدہ یا کچھ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے خلافتِ عثمانیہ پر آکر رک جاتی ہے اور دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اسے دورِ حاضر کے سیاسی و سماجی اور اقتصادی ڈھانچے کے لئے فٹ نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ مذہبی اور غیر مذہبی عناصر سب کے سب اس کے لئے اغیار کی طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کے دیئے ہوئے نظاموں کے ساتھ اسلام کا پیوند لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ دورِ جدید میں انہوں نے کئی بھولی بسری چیزوں کو دوبارہ زندہ کیا اور دین کی تفہیم و تشریح اس انداز سے کی کہ ہر چیز اپنے اپنے مقام پر اور واضح نظر آنے لگی۔ ان ہی بھولی ہوئی اصطلاحات میں "خلافت" کی اصطلاح بھی ہے' جسے چھوڑ کر ہر ایک نے جمہوریت کا دامن اس طرح تھام لیا ہے کہ اسے چھوڑنے کے لئے کسی صورت آمادہ نہیں۔ امیر تنظیمِ اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے نہ صرف خلافت کے مفہوم کو واضح کیا بلکہ اس کے خدو خال کو بھی دو اور دو چار کی طرح پیش کر کے پاکستان کے مسلمانوں کو اشتراکِ عمل کی دعوت دی۔ اس سلسلہ میں آپ نے ملک کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے وہاں کے عوام کے سامنے نظامِ خلافت اور اس کے خدو خال کو واضح کیا اور بحمد اللہ ہر جگہ لوگوں نے اس ندا کو اپنے دل کی آواز سمجھتے ہوئے اس کا بھرپور جواب دیا۔ دسمبر ۹۱ء کے تیسرے ہفتے میں داعیٔ تحریکِ خلافت نے ناظمِ تحریکِ خلافت کے ہمراہ صوبہ سرحد کے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ ذیل میں اس پانچ روزہ دورہ کی مختصر رُوداد بیان کی جا رہی ہے۔

☆ ڈیرہ اسماعیل خان

داعیٔ تحریکِ خلافت نے صوبہ سرحد میں اس پکار کا آغاز ڈیرہ اسماعیل خان سے کیا۔ اس ضمن میں پیر ۱۶ دسمبر ۹۱ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں جلسۂ عام کا پروگرام رکھا گیا۔ مقررہ تاریخ کو امیرِ محترم علی الصبح لاہور سے روانہ ہو کر سڑک کے راستے سرگودھا اور میانوالی سے ہوتے ہوئے مغرب سے

قبل ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گئے۔ آپ کے ہمراہ ناظم تحریکِ خلافت جناب عبدالرزاق صاحب' میجر (ریٹائرڈ) فتح محمد صاحب اور شیخ رحیم الدین صاحب بھی تشریف لائے۔ جلسہ کے انتظامات کی نگرانی اور امیر محترم کے استقبال کے لئے راقم اور پشاور کے رفیق مجاہد نسیم ایک دن پہلے ہی ڈیرہ پہنچ گئے تھے' دوسرے دن پشاور تنظیم کے امیر وارث خان اور نظام اللہ بھی تشریف لے آئے۔ ڈیرہ میں اکلوتے رفیقِ تنظیم جناب صادق بھٹی صاحب کی کوششوں سے جلسے کا انتظام ہو سکا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے دوستوں کی مدد سے' جن میں حفّاظ محمد لطیف اور محمد فرید وغیرہ شامل تھے' انتظامات مکمل کئے۔ میزبانی کے فرائض ان حفّاظ کے والدِ محترم جناب حافظ اللہ بخش صاحب نے اپنے دولت خانے پر انجام دیئے۔

اس دن بعد از نماز عشاء میدان حافظ جمال کی جامع مسجد میں امیر تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت نے خلافت کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ آپ نے قرآنی آیات کے حوالے سے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو پاکستان کی صورت میں اپنا وعدہ پورا کیا' لیکن اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک میں ہم پینتالیس سال گزرنے کے باوجود تا حال اصل منزل کے لئے کوئی پیش رفت نہ کر سکے' اور انگریزوں کے دیئے ہوئے سیاسی، اقتصادی اور سماجی ڈھانچے سے بھی ابھی تک چمٹے ہوئے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس ملک کی بعض نیم سیاسی اور نیم مذہبی جماعتوں نے قانونِ شریعت کے نفاذ کے مطالبے کو تو اپنی سیاست کی اساس بنایا' لیکن سیاسی اور معاشی نظام کو بدلنے کے لئے ہرگز کوئی کوشش نہیں کی' جو جبر و ظلم اور استحصال و استبداد کی اصل جڑ اور بنیاد ہے اور جسے ختم کئے بغیر بہترین قانون کی برکات بھی ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ نظامِ خلافت صرف عنوان یا لیبل بدلنے سے نہیں بلکہ مکمل انقلاب سے آئیگا اور اس کے لئے جانی اور مالی قربانی ناگزیر ہے اور جب تک ایک زبردست عوامی تحریک اور انقلابی جدوجہد نہ شروع کی جائے، صرف ہاتھ بدلنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

سردی کے باوجود کم و بیش ۴۵۰ حضرات نے بڑی دل جمعی سے داعیٔ تحریک کا خطاب سنا اور تقریباً ۴۵ افراد نے معاونین کے فارم پُر کر کے اپنی دلی آمادگی کا ثبوت پیش کیا۔

☆ بنّوں

دوسری صبح یہ قافلۂ حق بنّوں کے لئے روانہ ہوگیا۔ بنوں میں تنظیم اسلامی کا کوئی رفیق نہ ہونے کے باوجود جناب سعید حمید الدین صاحب جیسے مخلص اور نڈر انسان' جو کہ "بنوں کی آواز" کے نام سے مشہور ہیں' انہوں نے تنِ تنہا جلسے کا انتظام کیا۔ جلسہ بعد از نماز ظہر بمقام میلاد پارک جناب سعید حمید الدین صاحب کے استقبالیہ کلمات سے شروع ہوا۔ جناب وارث خان امیر تنظیم اسلامی پشاور نے پشتو میں نظامِ خلافت کے خدوخال پیش کئے۔ اس کے بعد داعیٔ تحریکِ خلافت نے قرآن و

حدیث کی روشنی میں نظامِ خلافت کے بارے میں مفصّل خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب میں قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک کے حالات پر روشنی ڈالی اور تاریخ کے حوالے سے واشگاف الفاظ میں یہ واضح کیا کہ موجودہ استحصالی نظام کی تبدیلی نہ محض وعظ و نصیحت کے ذریعہ ممکن ہے اور نہ ہی انتخابات کے ذریعے' بلکہ اسے صرف اور صرف انقلابی جدوجہد ہی سے بدلا جاسکتا ہے' اور اس کے لئے زبردست عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہاں کے لوگوں کی زبان خالصتاً پشتو ہے مگر انہوں نے بڑے تحمّل اور دل جمعی کے ساتھ جناب ڈاکٹر صاحب کا خطاب سماعت فرمایا۔ اس جلسے میں حاضرین کی تعداد چار ساڑھے چار سو کے لگ بھگ تھی' جن میں سے ۳۵ افراد نے تحریکِ خلافت کا تعاون فارم پُر کیا۔

☆ کوہاٹ

اگلی صبح یعنی ۱۸ دسمبر ۹۱ء کو یہ قافلۂ سخت جان کوہاٹ کے لئے روانہ ہوگیا۔ کوہاٹ میں اگرچہ ہمارے تین رفقاء موجود ہیں' لیکن دو رفیق ناگزیر وجوہات کی بناء پر بھرپور حصہ نہ لے سکے اور الطاف احمد پراچہ صاحب اکیلے ہی جلسہ کی کامیابی کے لئے سرگرداں رہے۔ ہمارے بروقت پہنچ جانے سے ان کو کافی تقویت ملی۔ وارث خان صاحب اور شیخ رحیم الدین صاحب نے لاؤڈ سپیکر پر سارے کوہاٹ شہر میں تشہیر کا کام سرانجام دیا۔ کوہاٹ میں جلسہ کا اہتمام مسجد حاجی بہادر صاحب میں کیا گیا تھا' جس کے لئے بعد از نمازِ مغرب کا وقت مقرر تھا۔ وقت کی تنگی کے باعث داعیٔ تحریکِ خلافت نماز کے فوراً بعد مائیک پر تشریف لائے اور اپنے موضوع پر مبسوط اور مدلّل خطاب فرمایا۔ آپ نے واضح کیا کہ ظلم و استحصال کے خاتمے کا واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے۔ یہاں پر شرکاء کی تعداد ڈیرہ اسماعیل خان اور بنّوں کی نسبت بہت کم رہی۔ معاونین بھی چار پانچ سے زیادہ نہ مل سکے۔

☆ پشاور

رات کوہاٹ میں بسر کرنے کے بعد یہ قافلہ اپنے دورے کے آخری پروگرام کے لئے پشاور روانہ ہوا۔ پشاور میں کچھ دیر آرام کے بعد امیرِ محترم مولانا مجاہد صاحب امیر تنظیم اتحادِ علماءِ قبائل سے ملاقات کی غرض سے جناب ڈاکٹر محمد اقبال صافی کی معیت میں باڑہ تشریف لے گئے' جہاں مولانا مجاہد صاحب نے اپنے ساٹھ پینسٹھ ہتھیار بند رفقاء کے ہمراہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ یہاں پر آپ کے خطاب کا موضوع تھا: "امتِ مسلمہ کی نجات کا واحد راستہ نفاذِ شریعت میں مضمر ہے"۔ آپ نے کہا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم انگریزوں کے دیئے ہوئے نظام کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور اس کی ہر چیز کو مقدس سمجھے ہوئے ہیں' چاہے وہ مخلوط

معاشرہ ہو صوبوں کی تقسیم ہو یا قبائلی اور غیر قبائلی علاقہ کی تقسیم۔ آپ نے باڑہ میں شریعت نافذ کرنے پر اہلِ علاقہ کو مبارک باد دی۔ حاجی عبدالحنان صاحب اور حاجی عبدالودود صاحب نے امیرِ محترم کا شکریہ ادا کیا اور تنظیم کی کارگزاری بیان کی۔

باڑہ سے واپسی پر اڑھائی بجے پریس کلب پشاور پہنچے، جہاں پریس کانفرنس کا پروگرام طے تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے "پاکستان میں نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟" کے عنوان پر مشتمل چار ورقہ لفظ بہ لفظ پڑھ کر تشریح کے ساتھ بیان فرمایا، جس پر پریس کے نمائندوں نے مختلف سوالات کئے اور امیر محترم نے تفصیل کے ساتھ ان کے جوابات دیے۔ آخر میں چائے سے تواضع کے ساتھ یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

رات کے کھانے کے لئے ڈاکٹر سعد اللہ صاحب کے دولت خانے پر حیات آباد جانا پڑا۔ ڈاکٹر موصوف جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے باوجود امیرِ محترم کے متعقدین میں سے ہیں۔ ان کے ہاں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ کچھ طلباء حضرات بھی آگئے اور اچھی خاصی سوال و جواب کی نشست کا سماں بندھ گیا۔

اگلی صبح یعنی ۲۰ دسمبر بروز جمعہ ڈاکٹر پروفیسر جمیل احمد صدیقی صاحب سے ۱۰ بجے ملاقات کا وقت طے تھا۔ موصوف پشاور یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات سے منسلک تھے، اور حال ہی میں ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔

پشاور میں جلسۂ عام کا وقت ۱۰ بجے مقرر تھا۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا، پھر جناب عبدالرزاق صاحب ناظم تحریکِ خلافت پاکستان نے خطاب فرمایا۔ ان کے خطاب کے بعد جناب وارث خان امیرِ تنظیم پشاور نے پشتو میں خطاب فرمایا۔ آپ نے تحریکِ خلافت کا تعارف کروایا اور پاکستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی کو قرآن و سنت سے اعراض کا نتیجہ قرار دیا۔ ٹھیک ۱۱ بجے امیر محترم نے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ اگرچہ گذشتہ چار دنوں کے مسلسل خطاب سے آپ کا گلا متاثر ہوا تھا، لیکن آپ نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے پورے جوش و جذبہ کے ساتھ خطاب فرمایا۔ آپ نے قرآن حکیم اور احادیث کی روشنی میں تحریکِ خلافت اور اس کے خدوخال پر روشنی ڈالی، اور ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کو، جو اگرچہ محض علامتی خلافت تھی، اغیار کی سازش قرار دیا۔ آپ نے انگریز کے دیئے ہوئے نظام کے اہم خدوخال مثلاً مخلوط قومیت، پارلیمانی جمہوریت، صوبوں کی تقسیم، سودی نظام، جوئے، سٹے، جاگیرداری کی لعنت اور مخلوط معاشرت پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے اسلامی انقلاب کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے نظامِ خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کا اصل دفاع اس میں مضمر ہے کہ یہاں اسلام کے نظامِ خلافت کو بتمام

دکمال قائم کیا جائے۔ اسی طرح ہم "اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اللہ خود دفاع کرے گا اہل ایمان کی جانب سے) کے مصداق اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے مستحق بن سکتے ہیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں داعیٔ تحریکِ خلافت نے اہل پشاور کو یہ فکر انگیز پیغام دیا کہ وہ موجودہ استحصالی نظام کی تبدیلی اور نظامِ خلافت کے احیاء کے لئے ایک ایسی انقلابی جماعت ناگزیر ہے جس کے وابستگان پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر میں احکامِ شریعت کو نافذ کریں۔ اور پھر ایک بنیانِ مرصوص کی صورت اختیار کر کے منظم انداز میں اپنا تن من دھن اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے لئے عوامی سطح پر نظامِ خلافت کی خصوصیات کا فہم و شعور عام کئے جانے کی ضرورت ہے اور اس کی ابتدائی کوشش کے ضمن میں آپ حضرات کا تعاون درکار ہے۔

پشاور کے جلسے کے لئے تمام رفقاء حضرات نے بڑی محنت اور لگن سے کام کیا اور اس کی تشہیر کے لئے تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا گیا۔ ٹی بورڈ مہم کی مدد سے بھی لوگوں کو جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء باجوڑ ایجنسی، مردان، کوہاٹ، راولپنڈی اور مانسہرہ سے تشریف لائے۔ اتنی کوشش کے باوجود معاونین ۴۰ سے زیادہ نہ بڑھ سکے، جبکہ حاضرین جلسہ کی تعداد قریباً ۴۵۰ تھی۔

جلسہ کے فوراً بعد امیرِ محترم نماز جمعہ کے لئے درویش مسجد تشریف لے گئے۔ وہاں کے خطیب مولانا حسن جان سینیٹر سے ملاقات طے تھی۔ چنانچہ نماز کے بعد مولانا صاحب نے امیر محترم کو بڑے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔ پندرہ بیس منٹ کی گفتگو کے بعد مولانا سے اجازت لی گئی۔ بعد ازاں امیرِ محترم دفترِ تنظیم کے قریب خیبر بازار کی مسجد کی بالائی منزل پر رفقاءِ تنظیم کے ساتھ اجتماعی کھانے میں شریک ہوئے، جس کے بعد آپ کا یہ دورہ اختتام کو پہنچا۔

(مرتب اشفاق احمد میر)

ضرورتِ رشتہ

ایک خوشحال دینی گھرانے کی ۲۹ سالہ دوشیزہ تعلیم بی ایس سی کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

معرفت مختار احمد خان صاحب

مکان نمبر ۸، المدینہ سٹریٹ، عمر کالونی،
انفنٹری روڈ، مصطفےٰ آباد، لاہور

تحریکِ خلافت۔ وقت کی اہم ضرورت

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب!

السلام علیکم ۔ خیریت موجود، خیریت مطلوب۔ الحمدُ للہ تحریکِ اسلامی کا قافلہ "تحریکِ خلافتِ پاکستان" کی صورت میں رواں ہو گیا ہے۔ خدا کا آپ پر کس قدر احسان ہے کہ اس عظیم خدمت کے لئے اس نے آپ کو منتخب فرمایا ہے۔ اگر خلوص اور محنت کا یہی جذبہ جاری رہا تو یقیناً خدا کی نصرت پہنچے گی۔ اس خاکسار اور گناہ گار کی آنکھیں اسلامی انقلاب کو آتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔

نظامِ خلافت کی جو تحریک تنظیم اسلامی نے برپا کر دی ہے وہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ پہاڑوں کو چیرنے کا کام ہے۔ یہ کام مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں نے پہاڑوں کو چیرا ہے لیکن پہاڑوں کی چرائی اس بات سے مشروط ہے کہ چرائی کا کام شروع کر دیا جائے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہ سعادت اہلِ پاکستان کے حصے میں آئی ہے۔

مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ہمیں اس کے لئے کمرِ ہمت کسنی ہو گی اور اس مطالبے کو تیز سے تیز تر کرنا ہو گا، عوام الناس کی ذہنی سطح تک پہنچ کر اس کی افادیت کو اجاگر کرنا ہو گا اور اس کے لئے قربانی دینے کا داعیہ پیدا کرنا ہو گا۔

خلیج کی جنگ کی صورت میں ہمارے دشمنوں نے ہمارے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نتائج ان شاء اللہ تحریکِ خلافت کے معاون ثابت ہوں گے۔

ملکی سطح پر ہمارے علمائے کرام، دانشوروں اور سیاست دانوں پر مغربی فکر کی یلغار کی، لفظ جمہوریت کی صورت میں، جو چھاپ لگ گئی ہے اسے صاف کرنے میں کچھ وقت درکار ہو گا۔ نظریات کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ مقابلہ اسلام اور جمہوریت کا ہے۔ ہمارے دانشور جوں ہی مغرب کی ذہنی غلامی کی سحر سے باہر آئیں گے اور وہ مغرب کی بجائے اپنے دماغوں سے سوچنا شروع کر دیں گے تو یہ بات ان پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ مغربی جمہوریت یقیناً ریت پر ایک محل ہے۔ اسلامی نظام کی صداقت اور وضاحت کے طوفانوں کو چلنے کی دیر ہے کہ

مغربی جمہوریت کی عمارت کے نیچے سے ریت سرکنی شروع ہو جائے گی اور یہ عمارت بھی کیمونزم کی طرح اس طرح گر جائے گی کہ نہ کوئی دھماکا ہو گا اور نہ اس کی تباہی پر کوئی آنسو بہانے والی آنکھ ہو گی۔

مغرب کے لئے بے شک جمہوریت حرفِ آخر ہے اور ان کے لئے یہ ایک بہترین نظام زندگی ہے' لیکن یہ نظام صرف انسان کا بنایا ہوا نظام ہے اور خامیوں سے خالی نہیں ہے۔ اسلام ایک ایسا نظامِ زندگی ہے جو اس ذات نے بنایا ہے جس نے خود انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اگر انسان کا بنایا ہوا نظام صحیح ہے تو پھر خود انسان کو بنانے والے کا نظام صحیح کیوں نہیں ہو سکتا؟

آپ باخبر ہیں کہ لفظ خلافت کے ساتھ ایک تاریخ وابستہ ہے ـــــ ایک اچھی تاریخ بھی اور ایک بدنام تاریخ بھی۔ خلافت کے اچھے دَور نے جہاں خلافِ اسلام قوتوں کی نیندیں اچاٹ کی ہیں وہاں خلافت کے آخری دَور نے خود مسلمانوں میں بھی غلط فہمیاں اور نفرتیں پیدا کی ہیں۔

تحریکِ خلافت کے دوران آپ کو دو محاذوں پر لڑنا ہو گا۔ ایک محاذ ملکی اور عالمی غیر مسلم قوتوں کا ہے جو تحریکِ خلافت کے لئے شعوری طور پر مزاحمت پیدا کریں گی۔ جب کہ دوسرا محاذ ان ہم وطن مسلمانوں کا ہے جو مغربی فکر سے مرعوب ہو کر غیر شعوری طور پر مغربی مفکرین کے ایجنٹ اور چیلوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ ایسا کرنے کے باوجود وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مسلمانی میں کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔

سیاست دانوں کی بات تو چھوڑیے 'وہ تو تھالی کے بینگن ہیں' کبھی ادھر لڑھک گئے اور کبھی ادھر۔ انہیں اپنا اقتدار اور کرسی مطلوب ہے۔ اگر وہ اسلام کا نام لے کر ملتی نظر آئے گی تو وہ اسلام کے حق میں نعرہ لگا دیں گے۔ اگر اسلام کا نام لینے سے ان کے اہداف کو خطرہ محسوس ہو گا تو وہ اسلام کا نام لینا چھوڑ دیں گے' حتّٰی کہ اس کی مذمت بھی کرنے لگیں گے۔ یہ سب کچھ مغربی جمہوریت کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ لیکن سیاست دانوں میں کچھ مخلص اور با اصول بھی ہیں۔ ان کا تعاون حاصل کرنا چاہئے اور ان کی اسلام پسندی کی دل سے قدر کی جانی چاہئے۔

دانشوروں اور علمائے کرام کی طرف خصوصی توجّہ دی جانی چاہئے۔ خلافت کے بارے میں دانشوروں کی غلط فہمیوں کو دُور کیا جانا چاہئے۔ ہمارے علمائے کرام کو اس تحریک کی طرف خصوصی توجّہ دینا چاہئے۔ فرقہ وارانہ اور پارٹی سیاست سے بالا تر ہو کر ان کا فرض ہے کہ وہ عملی طور پر یہ بات ثابت کر دیں کہ وہ پارٹی یا اپنے فرقے کے ساتھ نہیں' بلکہ صرف اور صرف

اسلام کے ساتھ مخلص ہیں۔

پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی تحریک سب کے تعاون کے ساتھ شروع کی گئی اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ موجودہ تحریک میں علمائے کرام پر یہ سب سے بڑا فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود تحریک کے ساتھ تعاون فرمائیں بلکہ اسلامی نظام کے بارے میں ہمارے دانشوروں اور سیاست دانوں کے ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کو دُور کرنے میں مرکزی کردار ادا کریں۔

پاکستان میں جب بھی کوئی دینی تحریک برپا کی گئی تو خلافِ اسلام قومی اور بین الاقوامی قوتوں نے ہمیشہ دینی عناصر کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ علمائے کرام کو چاہئے کہ وہ دشمنوں کی ان چالوں کو نہ صرف سمجھیں بلکہ ان سازشوں اور چالوں کو ناکام کرنے کے لئے اپنی اعلیٰ فراست اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیں۔

تحریکِ خلافت نے جو دس نکاتی پروگرام پیش فرمایا ہے اس میں زیادہ وضاحت اس بات کی کی گئی ہے کہ اسلامی نظام اپنے نفاذ کے بعد قانون دانوں' سیاست دانوں' عدلیہ' پارلیمنٹ' سرمایہ داروں' صنعت کاروں' بینک کاروں' زمینداروں اور عورتوں سے کیا چھینے گا۔ تحریک کے اس اسلوب سے مندرجہ بالا طبقات میں لازمی طور پر ایک اشتعال پیدا ہو گا۔ اور نظریاتی طور پر یہ طبقات اپنے دفاع کے لئے تحریک کے راستے میں مزاحمت پیدا کریں گے۔ زیادہ بہتر یہ رہے گا کہ ہم لوگوں کو اسلامی نظام کی برکات سے روشناس کرائیں۔ یہ اسلوب یقیناً تحریک کے لئے تعاون کی فضا کو زیادہ بہتر طریقے سے ہموار کرے گا۔

یہ ناچیز بھی آپ کی رہنمائی میں آپ کے شانہ بشانہ کام کرنے کی سعادت میں مصروف رہے گا۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس تحریر کو ماہنامہ میثاق کی آئندہ اشاعت میں شائع فرما دیں تاکہ قارئین کی رائے کی صورت میں میری مزید راہنمائی کا بندوبست ہو سکے۔ اور تحریک کے کارکنوں کے لئے بھی سوچ و بچار کے عمل کا آغاز ہو سکے۔ والسلام

ڈاکٹر غلام فرید بھٹی
بہاولپور

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر بپا!

اسلام وحدتِ فکر و عمل کا درس دیتا ہے۔ مسلمانوں نے ایک وحدت کی شکل میں خالقِ کائنات کی نیابت کے طور پر دنیا کو راہنمائی فراہم کی۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا اور ان کی زندگیاں

احکاماتِ خداوندی کے عین مطابق دنیا کے لئے بہترین نمونہ تھیں۔آج بھی مسلمان وہ واحد قوم ہیں جن کے پاس اللہ کا پیغام اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ جبکہ نوعِ انسانی کو اس کی ضرورت ہے۔ مگر خود مسلمان آج بالفعل ایک امت نہیں ہیں، اور عمل سے تہی دست ہیں۔

استعماری قوتوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان پر اپنی حکومت قائم رکھی اور اسلامی نظام کی جگہ خود اپنا نظام رائج کیا۔ جس میں سب سے پہلے مسلمانوں کے طرزِ فکر میں ایسی تبدیلی پیدا کی گئی کہ آزادی ملنے کے بعد بھی وہ اسی تبدیل شدہ ڈگر پر قائم ہیں مزید بر آں جدید ٹیکنالوجی میں مغرب کی برتری نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج پوری دنیا پر مغرب کی سیکولر سوچ اور فکر کا تسلط ہے۔

جہاں تک مسلم دنیا کے موجودہ حکمرانوں اور زعماء کا تعلق ہے وہ اسلام کا نام لینے پر تو مجبور ہیں، مگر عملی طور پر مغربی تہذیب و تمدن کی گرفت میں پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں چنانچہ اسلام کے نظامِ عدل کی جگہ یہ ممالک پولیس اسٹیٹس کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں نے ہمیشہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کی اس لئے دنیا میں عزت و وقار انہیں نصیب ہوا۔ مگر اب کیا ہے؟ باہم خوف و ہراس اور ایک دوسرے سے بے اعتمادی!

اس پستی اور ذلت سے نکلنے کی ایک ہی راہ ہے کہ ہم سب انفرادی طور پر اپنا اپنا جائزہ لیں۔ اور اگر محسوس کریں کہ ہمارے لئے اسلام کے سوا نجات کی دوسری کوئی راہ نہیں ہے، تو اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنی کمر کس لیں۔ اسلام کا دیا ہوا طرزِ فکر اور نظام پہلے ہی ہمارے پاس موجود ہے، کہیں سے ڈھونڈ کر نہیں لانا، بات صرف عمل کرنے کی ہے اور یہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

بلاشبہ اس کام میں سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم زعماء اور دانشور حضرات پر عائد ہوتی ہے، خصوصاً وہ دانش ور حضرات جو حکومتوں کے زیرِ اثر نہیں ہیں کہ باہم یک جا ہو کر ایک نظم کے تحت اس کام کا آغاز کریں۔لیکن خدانخواستہ اگر ہم اور آپ اس کام کے لئے وقت فارغ نہیں کر سکے تو جان لیجئے کہ دوسروں (مخالفین) کے پاس خاصا وقت ہے، اور وہ ہمیں نیست و نابود کرنے کے لئے تندہی سے سرگرم عمل ہیں!

ڈاکٹر محبوب عالم خواجہ
سعودی عربیہ

ضرورتِ رشتہ

راجپوت بھٹی، بی۔ اے نوجوان کے لیے پٹھان خاندان سے کم از کم ایف۔ اے، نماز، روزہ اور پردہ کی پابند لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ع غ، معرفت میثاق

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ ۵۴۷۰۰

اسے قارئینِ میثاق کی نذر کیا جارہا ہے۔

☆ ☆ ☆

ماہ دسمبر کے دوران بھی تحریکِ خلافت کی دعوتی و تعارفی سرگرمیاں اپنے عروج پر رہیں۔ کئی بڑے شہروں میں جلسہ ہائے عام منعقد ہوئے اور ان پروگراموں کے باعث امیر تنظیمِ اسلامی کے لئے یہ مہینہ انتہائی مصروف گزرا۔ کراچی میں اگرچہ کوئی جلسۂ عام منعقد نہ کیا جاسکا تاہم امیرِ تنظیم کے تین روزہ دورۂ کراچی کے دوران وہاں کئی مساجد میں خلافت کانفرنس کے عنوان سے پروگرام منعقد ہوئے اور اس طرح اہلِ کراچی کے کانوں تک بھی تحریکِ خلافت کی دعوت کے پہنچنے کا کسی قدر سامان ہوگیا۔(اس دورے کی رپورٹ اگر اللہ نے چاہا تو "ندائے خلافت" کے پہلے شمارے کے واسطے سے قارئین تک پہنچے گی)۔

۱۴ تا ۲۰ دسمبر امیر تنظیمِ اسلامی نے صوبہ سرحد کا طوفانی دورہ کیا۔ اس تحریکی دورے کے ذریعے جس کا آغاز ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوا' صوبہ سرحد کے قریباً تمام بڑے شہروں میں خلافت کی نداء گونج اٹھی۔ امیر تنظیمِ اسلامی کے لئے یہ دورہ نہایت پُرمشقت تھا۔ لاہور سے ڈیرہ اسماعیل خان' وہاں سے بنوں' پھر بنوں سے کوہاٹ اور بالآخر کوہاٹ سے پشاور تک کا یہ تمام سفر تنظیم کی ویگن میں طے ہوا۔ جس میں امیر تنظیمِ اسلامی و داعئ تحریکِ خلافت کے ساتھ ناظمِ تحریکِ خلافت اور بعض دیگر رفقاء بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ اس ضمن میں تنظیمِ اسلامی کے ناظمِ حلقۂ سرحد محترم اشفاق میر صاحب کی مرتب کردہ ایک رپورٹ زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے ـــــ پھر ۲۷ دسمبر کو گجرات میں تحریکِ خلافت کے زیرِ اہتمام جلسۂ عام منعقد ہوا۔ یہاں محترم ڈاکٹر صاحب نے جلسے کے علاوہ مقامی پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ یوں دسمبر کے مہینے کو تحریکِ خلافت کے اعتبار سے بھرپور ترین اور داعئ تحریک کے اعتبار سے مصروف ترین قرار دیا جاسکتا ہے ـــــ

اس ماہ کے دوران لاہور کے مختلف مقامات پر چھوٹے پیمانے پر متعدد کارنر میٹنگز کا اہتمام کیا گیا اور اس طرح الحمدللہ شہر لاہور میں تحریکِ خلافت کے عنوان سے تنظیمِ اسلامی کی رابطۂ عوام مہم کا بھرپور آغاز ہوگیا۔ ان پروگراموں کی کسی قدر مفصل رپورٹ شاملِ اشاعت ہے۔

نزلہ کُشتن روزِ اوّل
گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔
جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا خُلاصہ (ایکسٹریکٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہا سال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے، چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیے فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔
ہمدرد کی فنی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر
جوشینا
جوشاندے کی مکمل توانائی
نزلہ و زکام ۔ جوشینا سے آرام
ہمدرد
جوشینا دو پیکنگوں میں دستیاب ہے خوب صورت پلاسٹک مگ میں اور گتے کے کارٹن میں۔
عفو و درگذر بہترین انتقام ہے
جوشینا
Adarts-JOS 1-89

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

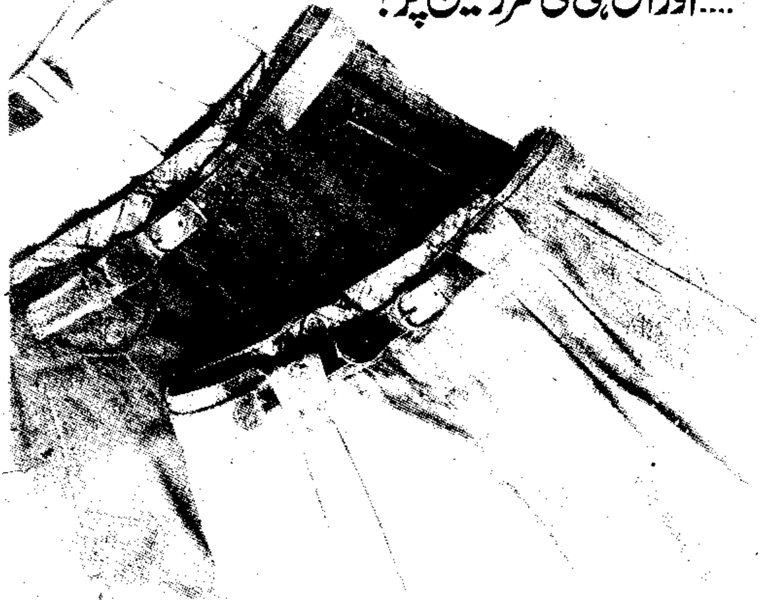

ہم اپنے گارمنٹس بیڈ لنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرق وسطی کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رک کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندی وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad®

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY
Meesaq
36-K, Model Town, Lahore - Pakistan.
VOL. 41 No.1
January 1992